فسطاط

(مجموعۂ اصنافِ سخن)

رحمٰن جامی

ادارۂ اِقلیمِ ادب

پہلی بار : ایک ہزار
سنہ اشاعت : دسمبر ۲۰۰۱ء

انتخاب : پروفیسر غنی نعیم
ترتیب و تزئین : عائشہ صدیقہ
کتابت : محمود سلیم
سرورق کی کتابت : سلام خوشنویس
سرورق : احمد (مصوّر و مجسّمہ ساز)
شاعر کا پورٹریٹ : ڈاکٹر دل ہاشمی
نگرانِ اشاعت : جعفر جری
طباعت : او۔ ایس۔ گرافکس نارائن گوڑہ۔ حیدرآباد
قیمت : دو سو روپے (پچاس امریکی ڈالر)
ادارہ : اقلیم ادب حیدرآباد
فون نمبر رحمٰن جامی : 353247

ملنے کے پتے :

- 'الحرا' قاری صاحب لین، ہل کالونی، مہدی پٹنم حیدرآباد ۲۸
- حسامی بک ڈپو، ۱۲۵۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد ۲۔
- بک ڈپو انجمن ترقی اردو اے پی، اردو ہال حمایت نگر۔ حیدرآباد
- احمد رفیع راشد 6035 بلاک تھورن الوینو لیک وڈ کیلیفورنیا 90712 (امریکہ)

اِنتساب

میرے والدین کے نام

جن کی آرزوؤں کا ثمر میں ہوں

رحمٰن جامی

زیرِ اہتمام : احمد رفیع راشد (امریکہ)

ترتیب



نازک مزاج لوگوں کو اس کی خبر نہیں
ہاتھوں میں رنگ بھر کے حنا قتل ہو گئی

رحمٰن جامی

تجربوں کا تجربہ کار شاعر

اُردو زبان کا شعری و ادبی قافلہ مختلف راہوں سے ہوتا ہوا، رفتہ رفتہ ترقی کے منازل طے کرتا دبستانِ دکن سے رواں دواں دہلی اور لکھنؤ سے گزرتا ہوا، عہدِ حاضر میں اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اپنے وجود کا احساس عالمی سطح پر کرا رہا ہے۔

اُردو شعری و نثری اصناف کے تخلیق کار، ماضی کی عظیم روایات اور تاریخی شعور کے ساتھ دَورِ حاضر کی تمام سائنسی، صنعتی، سیاسی، سماجی ترقیوں اور تبدیلیوں کو اپنی فکرِ عالیہ میں سموئے اپنی اپنی انفرادیت کے ساتھ اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔ ان باشعور شاعروں اور ادیبوں نے اُردو زبان و ادب کے دامن میں، نہ صرف اُردو مروجہ اصناف شعر و نثر میں اضافہ پر اکتفا کیا بلکہ دیگر زبانوں کی اصناف کو اردو زبان کی قوتِ جاذبہ کی بدولت اسے اردو ادب و شعر کا اٹوٹ حصّہ بنا لیا۔ اس کا بہترین نمائندہ جناب رحمٰن جامی کا یہ شعری مجموعہ "فسطاط" ہے۔ اس مجموعۂ کلام کا اپنی نوعیت کا اچھوتا نام جناب رحمٰن جامی کے تاریخی شعور اور روایت سے وابستگی کا مظہر ہے۔ عربی لفظ "فسطاط" کے معنی خیمہ یا ڈیرہ کے ہیں۔ اس نام کی وجہ تسمیہ ایک نظم ہے جو اس مجموعہ میں شامل ہے جس کی تشریحی اختتامیہ سے اس شعری مجموعہ کی معنویت اُجاگر ہوتی ہے۔ "فسطاط" کے مطالعہ کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ گنجینۂ اصنافِ سخن ہے جو جناب رحمٰن جامی جیسے خوش فکر، بالغ نظر شاعر کی اُردو شاعری پر قادر الکلامی کا مظہر ہے۔

اِس مجموعۂ کلام کو بہت پہلے شائع ہو جانا چاہیئے تھا تاکہ نَو واردانِ بساطِ شعر و سخن اس سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی شعری صلاحیتوں کو اُجاگر کرتے۔ لیکن دیر آید درست آید کے مصداق اب بھی 'فسطاط' اپنی معنویت، کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے رہنمائی کی ضمانت

دیتا ہے۔

جناب رحمٰن جامی اُردو دنیا کی مشہور اور معروف ایسی شخصیت ہیں جو کئی اِعتبارات سے منفرد ہیں۔ اور اب تو "محترم" بھی بفضلِ تعالیٰ ہیں۔ جناب رحمٰن جامی خود احتساب شاعر ہونے کے ساتھ ایک باشعور نقاد، افسانہ نگار اور انشا پرداز ہیں۔ اردو زبان کی خدمت اس کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں۔ حیدرآباد میں ان کی رہائش گاہ "الحراء" اردو شعر و ادب کا ایسا نادر گہوارہ ہے جہاں سے اُردو کے نوجوان شاعر، ادیب افسانہ نگار، ڈرامہ نگار اور مضمون نگاروں کی کثیر تعداد بلا تفریقِ مذہب و ملت رحمٰن جامی صاحب کی استادانہ شفقتوں سے بہرہ ور ہوکر اپنے استادِ محترم کا نام روشن کر رہی ہے۔ ان کے کئی شاگرد شاعر اُردو شعر و ادب میں معتبر اور مشہور ہیں۔ ان کے کئی شاگرد صاحبِ دیوان ہیں اور اردو شعر و ادب کے باذوق قارئین میں اپنا اِعتبار قائم کر چکے ہیں۔

جناب رحمٰن جامی جیسی VERSATILE شخصیت کے بارے میں لکھنا مجھ جیسے اردو کے ادنیٰ طالب علم کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ یہ جناب رحمٰن جامی کی عظمت کی دلیل ہے کہ انھوں نے فسطاط کا پیش لفظ لکھنے کی مسرت مجھے عطا کی ہے، ان کے اس بے پناہ خلوص کے لئے میں ممنونِ کرم ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جناب رحمٰن جامی کے کسی بھی شعری یا نثری مجموعہ پر "پیش لفظ" صرف ان کا نام ہی ہو سکتا ہے۔

ہے آئینہ ہمارے فکر و فن کا ؛ ہماری شاعری رحمٰن جامی

اس فکر و فن کے آئینہ میں جواب 'فسطاط' بنا ہے شعری اصناف کا گنجینہ ہے۔ مروجہ اصنافِ سخن کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کی مختلف اصناف کی شمولیت نے اس آئینہ کو مزید آبدار بنا دیا ہے۔

جناب رحمٰن جامی روایت کی پاسداری کے ساتھ تاریخی شعور لئے اپنی انفرادیت کی آن بان کے ساتھ فسطاط میں اپنی شاعرانہ بلند قامتی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

مروجہ اصنافِ شعر، حمد، مناجات، نعت، منقبت، مرثیہ، غزل، دوغزلہ سہ غزلہ چوغزلہ، رباعیات، قطعات، مسدس، اور نظم کی روایتوں کے ساتھ اپنی جودتِ طبع اور

اور روشن دماغی کا احساس انھوں نے دلایا ہے۔ مناجات میں اس 'بندۂ عاجز' کی کیفیت ملاحظہ کیجیے۔

جہاں کے آگے نہ کر مجھ کو اور شرمندہ ؛ بُرا ہوں میں تو بہت تُو مری مثال نہ دے

مندرجۂ بالا شعر میں لفظ 'اور' کی معنویت اور حسّیت روح و دل کو تڑپاتی ہے۔ اور یہ التجا کہ ؎

مرے وجود سے لے کام حسن کاری کا ؛ ضرر کسی کو بھی پہنچانے کا خیال نہ دے

یہ حسین جذبہ عین عبدیت ہے جس کی تحسین ہر صاحبِ دل کرے گا۔ گنبدِ خضراء کے دیدار سے جو افتخار نصیب ہوا تو یہ احساس دیکھئے کہ کتنا حقیقت افروز ہے

یہاں عشق جامیؔ مکمل ہوا ؛ جنوں کی صداقت مدینے میں ہے

منقبت، وہ بھی حضرت سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ' میں کہ جنھوں نے بنائے لاالٰہ مستحکم کرنے، اپنا اور اپنی آل و اولاد کا خون دے دیا اور جن کے حضور میں مولانا محمد علی جوہر نے کہا کہ ع 'اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد'
جامیؔ یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

ہر دور میں ہے حق و صداقت کا امتحاں ؛ جامیؔ خود امتحاں ہے نواسہ رسول کا

اپنے جواں مرگ بھتیجہ کا مرثیہ لکھتے ہوئے اپنا کلیجہ نکال کر کاغذ پر یوں رکھا

تم نہیں ہو تو سُونا سُونا ہے ؛ 'الحرا' کا یہ آشیاں محمود

اس کے بعد غزل کا یہ مطلع دیکھئے ؎

شروع ہو چکا احساس کا سفر تنہا ؛ دل اِس طرف ہے اکیلا اُدھر نظر سا

سہلِ ممتنع میں یہ قطعہ بند ہمارے سماج کی وہ متحرک تصویر ہے جو دل و نظر ہی کو نہیں بلکہ روح کو زخمی کرتی ہے۔

آج بھی سو مر گئے ؛ ایک کا اظہار ہے
جھوٹی خبروں سے بھرا ؛ آج کا اخبار ہے

نظموں میں ارضِ دکن سے ان کی محبت چھلکے پڑتی ہے۔ رومانی نظمیں "مدعا خموشی کا" "یادوں کے اُجالے" دل کو چھولیتی ہیں۔ دیگر موضوعات پر اُن کی منتخب نظمیں تاثیر سے بھرپور ہیں۔ رحمٰن جامی کی مختصر نظم جو مجھے بے حد پسند ہے ظالم نے سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہے نظم کا عنوان 'ظرف' اپنی معنویت، کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے کامیاب ترین نظم ہے۔

ظرف

جھیل کا پانی
ساکت ہو کر سوچ رہا تھا
میں بھی ہوں گمبھیر سمندر
لیکن اک کنکر سے اُس کی
خاموشی سب ٹوٹ گئی ہے
اُس کی وہ گمبھیرتا
اُس سے چھوٹ گئی ہے
اُس کو کیا معلوم سمندر کیا ہوتا ہے ••

'آج کا شہر' 'بلیک بورڈ' عصر حاضر کی روح کو سمیٹی ہوئی نظمیں کہلانے کی مستحق ہیں۔

جناب رحمٰن جامی نے ہیئت کے کئی کامیاب تجربے کئے ہیں۔ ان کے تجربات شعری توسیعِ فکر، شعر کے ضامن ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ ایک قادرالکلام شاعر اپنی روشنیٔ طبع سے ذخیرۂ شعری میں کس قدر اہم اضافہ کرتا ہے۔ سرسی چھند، ایک غزل دو اوزان، اینٹی لوری، مرقعے (بقول رحمٰن جامی یہ صنف 'ایجاد بندہ' ہے) اردو شعری سرمایہ میں اضافہ ہیں۔ ان کے علاوہ 'ماہیئے' 'اردو دوہے' 'سانیٹ' 'ترائیلے' 'ہائیکو' (شارٹ اور لانگ سلیبلس) نثری نظمیں، 'قطعات' میں موجود ایک حساس، عصر حاضر کی روح سے واقف اور وقت کے تقاضوں سے شناسا شاعر سے تعارف کراتی ہیں اور یہ احساس دلاتی ہیں کہ تجربوں کے اِس تجربہ کار شاعر کے لئے شاعری کا میدانِ کارزار اس کی جولانیٔ فکر کے سامنے 'بازیچۂ اطفال' ہے۔ جناب رحمٰن جامی پر

جب نزولِ شعر کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اسی کیفیت کی سرشاری میں غزل، دو غزلہ سہ غزلہ اور چو غزلہ کہنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں، سامع اور قاری کو بھی مئے دو آتشہ سہ آتشہ بلکہ چہار آتشہ سے مست و بیخود بنا دیتے ہیں۔ جب طبعیت میں اعتدال ہوتا ہے تو اپنی فکر چار مصرعوں، رباعیات اور قطعات میں ایسے سموتے ہیں کہ غالبؔ کی لذّتِ تقریر کا لُطف مِلتا ہے۔ جناب رحمٰن جامیؔ کی شاعرانہ فکر میں محبت کی نرمی محنت کی گرمی۔ شب و روز کی بے رحمی، اپنوں کی بے رُخی کے عوامل کے ساتھ ساتھ خود آزاری اور خود سے ستیزہ کاری بلکہ ان کے اپنے الفاظ میں ؂

"میں خود اپنا ہی دشمن بن گیا ہوں"

ان کی غزل کا یہ مقطع شاعرانہ تعلّی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے کہ

بنا ہوں بگڑ کر یوں رحمٰن جامیؔ
اب اپنی جگہ ایک شہکار ہوں میں

مجھے امید ہے کہ اس فن کار کا شہکار 'فسطاط' اُردو کے شعری و ادبی حلقوں میں اپنی معنویت کے ساتھ ساتھ اس کی مشمولات کے باعث تسکینِ خیال و دل کا سبب بنے گا اور جناب رحمٰن جامی کی فکری کاوش کی تحسین پر مجبور کرے گا۔

۲۹۔ڈسمبر ۲۰۰۱ء

غنی نعیم
انوارالعلوم کالج۔ حیدرآباد

عرضِ حال

اللہ اللہ کرکے وہ وقت اب آیا ہے کہ "قسطاط" میرا مجموعۂ اصنافِ سخن، شائع ہونے جارہا ہے۔ آج سے بارہ سال پہلے میرا پہلا مجموعۂ کلام 'جامِ انا' ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا تھا جسے میرے قریبی دوست حامد مجاز نے منتخب اور مرتب کیا تھا۔ 'جامِ انا' کی رسمِ اجراء کے جلسہ میں میرے بڑے بھائی قاری محمد عبدالعلیم نے اپنی تقریر میں میرے دوسرے مجموعۂ کلام "قسطاط" کے انتخاب کی خواہش میرے ایک اور قریبی دوست پروفیسر غنی نعیم سے کی تھی جس کے زیرِ اثر جناب غنی نعیم میری ساری بیاضیں اور ڈائریاں اٹھاکر اپنے گھر لے گئے اور جب انھیں لوٹایا تو "قسطاط" کے علاوہ جملہ (۱۹) مجموعے منتخب فرمادیئے تھے۔ اس انتخاب کی سہولت کی وجہ سے مجھے ایسا لگا کہ میں ہر سال کم از کم دو مجموعے آسانی سے شائع کرواسکتا ہوں لیکن جب عملی جامہ پہنانا چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ مرحلہ اتنا آسان نہیں۔ اس سلسلہ میں کئی موانع سامنے آئے۔ میری بیٹی حمیرا کی شادی بھی اچانک طے ہوگئی اور اشاعت کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ جب فراغت ہوئی تو پھر اشاعت کی دوڑ دھوپ ہوئی۔ چونکہ اردو اکیڈمی کے قیام کے روز سے ہی میرا مطالبہ یہ تھا کہ اُردو اکیڈمی مستحق شعرا کا نہ صرف پورا مجموعہ شائع کرے بلکہ اس کی نکاسی کا انتظام بھی کرے۔ میں جزوی امداد کا قائل نہیں تھا اسلئے "جامِ انا" کی اشاعت بھی بغیر اردو اکیڈمی کی معاونت کے محض اپنے بل بوتے پر کروائی تھی (بعد میں میرے مطالبے کا اثر ہوا اور اس کا فیض اٹھاتے ہوئے اختر حسن، رشید قریشی، ابوظفر عبدالواحد، سلیمان اطہر جاوید، طالب رزاقی، مخدوم محی الدین، عبدالرزاق باقوی

اقبال متین، عزیزبھارتی، علی احمد جلیلی، ڈاکٹر عبدالواحد، ساغر جیدی، ایم۔ باگاریڈی وغیرہ کی کتابیں کلیتاً شائع ہوئیں اوران کی نکاسی کا انتظام بھی اردو اکیڈمی کے ذمہ رہا۔ لیکن جس نے مطالبہ کرکے رسوائی کا بوجھ اٹھایا وہی یعنی یہ ناچیز رحمٰن جامی آج تک محروم رہا۔

میرے آٹھ بھائی، ساجد، ماجد، واجد، شاہد، راشد، خالد، حامد اور جاوید وغیرہ باہر رہتے ہیں اور سبھی مجھ سے چھوٹے ہیں اور مجھ سے بے حد محبت کا دم بھرتے ہیں، ان کے کانوں تک میں نے اشاعت کی تحریک کی بات بڑے شائستہ انداز میں پہنچائی کہ اگر ایک ایک بھائی دو دو مجموعے چھپوانے کی ذمہ داری قبول کرے تو حضرت غنی نعیم کے منتخبہ (۱۹) مجموعوں میں سے میرے سولہ مجموعے یوں شائع ہوسکتے تھے اور میرے مذکورہ برادران پر یہ کچھ زیادہ بار بھی نہیں تھا۔ بہرحال مجھے پتہ نہیں کہ میری توقعات کیوں رائیگاں گئیں جبکہ مجھے ان کے خلوص اور وعدوں پر پورا اعتماد ہے۔ میرے شعری مجموعوں کی اشاعت کا کام رکا رہا۔ اللہ اچھا رکھے راشد کو، یہ اسی سال دسمبر میں حیدرآباد آئے تھے (انھیں میرے ایک بھتیجے خالق نے امریکہ میں بتلایا تھا) مجھ سے مل کر الٹا مجھ سے شکوہ کیا کہ آپ نے یہ بات مجھے کیوں نہیں بتائی ورنہ کب کے آپ کی کتاب "قسطاط" چھپ چکی ہوتی راشد نے 'قسطاط' کی ذمہ داری اور 'ارغن' کی ذمہ داری اپنے سرلی اور یہ دونوں کتابیں اب ایک ساتھ چھپ رہی ہیں۔ ہوسکتا ہے میرے دوسرے امریکی بھائیوں کو اللہ توفیق دے دے اور دیگر مجموعے بھی چھپ جائیں۔

اشاعت کے سلسلے میں جو دلچسپی میرے چاہنے والوں نے دکھائی اُن میں میرے پھوپی زاد بھائی شوق نظامی (ادونی)، میرے بھانجے عماد (رائچور)، الیاس (بنگلور) بھتیجوں میں شجاع الدین (رائچور) خالق (امریکہ) شفیع، سیما، غوثیہ اور بادشاہ (ہاسپیٹ) کے علاوہ میری دختر عزیزہ حمیرا جامی اور داماد محمد زکریا احمدی وناسق محمدی و نوید، امجدی و بابر، ارشدی و قدیر پیش پیش ہیں۔ شاگردوں میں

جمیل شیدائی، قدیر انصاری، عثمان شاہین، ظہیر بابا یار، منان منظور (مرحوم) رحیم رامش فریدالدین احقر، منظر زبلی، ڈاکٹر دل ہاشمی، کرشنا سوامی مانو، نسیم اعجاز، جعفر جری، محمد یونس، فرہاد تمکنت، صابرہ بیگم (بارکس) اور عائشہ صدیقہ۔

دوستوں میں پروفیسر غنی نعیم، مصلح الدین سعدی، پروفیسر رحمت یوسف زئی، حامد مجاز، لطف الدین صدیقی لطیف، سید ناظرالدین، صادق نوید، سید لطیف محی الدین احمد، سعید صحرائی، نجم الغازی، ایم اے منان سابق ڈائرکٹر اردو اکیڈمی، ایم۔ ایم۔ یوسف، عظمت اللہ خاں، عبدالرب عارف، محمود سلیم خوشنویس، یوسف رضا اور شوکت علی خاں نیجنگ ایڈیٹر اعتبار دیکلی ان سب کا میں دل سے ممنون ہوں۔

رحمن جامی

حمد



اے خدا تو ہی حاضر و ناظر
اے خدا تو ہی اوّل و آخر
اے خدا تو ہی سب کا ہے ناصر
اے خدا تو ہی باطن و ظاہر

تو ہی ہے دو جہاں کا رکھوالا
تو ہی ہے سب میں ارفع و اعلیٰ

تو نے انساں کو کیوں بنایا ہے
اس نے کمزور کو ستایا ہے
اس نے بھائی پہ ظلم ڈھایا ہے
اس نے اپنوں کا دل دُکھایا ہے

سوچ گندہ ہے فکر ہے گندہ
اے خدا ہے عجیب تِرا بندہ

پیارا اس کو سِکھا کے بھیجا تھا
اس کا منصب جتا کے بھیجا تھا
سب میں رُتبہ بڑھا کے بھیجا تھا
اپنا نائب بنا کے بھیجا تھا

یہ تری راہ بھول جاتا ہے
ٹھوکریں ہر قدم پہ کھاتا ہے

اَے خُدا تو ہی کارساز بھی ہے
اَے خُدا تو ہی بے نیاز بھی ہے
اَے خُدا تو ہی اہلِ راز بھی ہے
تیرا بندہ بہانہ باز بھی ہے

اَے خُدا اس کو رہ پہ لا لینا
اس کو تو آگ سے بچا لینا

بیتُ اللہ کا جلوہ

(یہ نظم مکّہ میں صحنِ حرم میں ہوئی)

یہاں خود آکے دیکھا ہے یہ بیت اللہ کا جلوہ
جہاں میں سب سے اعلیٰ ہے یہ بیت اللہ کا جلوہ

کوئی بھی حُسن دُنیا کا اب آنکھوں میں نہیں بھرتا
کہ آنکھوں میں سمایا ہے یہ بیت اللہ کا جلوہ

اکیلا ہے خُدا بھی اور اُس کا گھر بھی تنہا ہے
جہاں بھر میں اکیلا ہے یہ بیت اللہ کا جلوہ

محبّت کا تقاضہ ہے مشیّت کا ارادہ ہے
جو آکر میں نے دیکھا ہے یہ بیت اللہ کا جلوہ

طوافِ کعبہ جاری رہتا ہے اِلاّ نمازوں کے
نمازوں ہی کا وقفہ ہے یہ بیت اللہ کا جلوہ

دوبارہ پھر بُلاتا مجھ کو اپنے گھر مرے مولا
مرے دِل کی تمنّا ہے یہ بیت اللہ کا جلوہ

ہے میرے ساتھ جامیؔ حج بیت اللہ کی برکت

مُناجاتؒ



تو اپنے مہر و کرم سے مجھے نکال نہ دے!
مِرے خُدا مجھے رحمت سے اپنی ٹال نہ دے
گناہ گار ہوں دوزخ میں مجھ کو ڈال نہ دے
مِرے کریم سزا میرے حسبِ حال نہ دے
جہاں کے آگے نہ کر مجھ کو اور شرمندہ
بُرا ہوں مَیں تو بہت تو مِری مثال نہ دے
عروج دے مگر اس بات کو بھی رکھ ملحوظ
کہ زندگی میں کبھی پھر مجھے زوال نہ دے
کمالِ فن سے مِرے سَب کو فائدہ پہنچے
بھلا نہ ہو جو کسی کا تو پھر کمال نہ دے
مِرے وجود سے لے کام حُسن کاری کا
ضرر کِسی کو بھی پہنچانے کا خیال نہ دے
یہ مَاہ و سَال تو گزرے صَدی صَدی کر کے
اب انتظار میں صَدیاں دِیے مَاہ و سَال نہ دے
کھڑا ہے تیرے کرم کی امید میں جامیؔ
تِرے کرم کی قسم اب تو اسکو ٹال نہ دے

نعت



(یہ نعت مدینے میں گنبد خضرا کے سامنے ہوئی)

نگاہوں کی جنّت مدینے میں ہے
مرے دِل کی راحت مدینے میں ہے

یہاں رازِ ہستی سبھی کھُل گئے
جہاں کی حقیقت مدینے میں ہے

بُلایا گیا ہے دکن سے ہمیں
ہماری ضرورت مدینے میں ہے

یہاں دِل لگانے کو آئے ہیں سب
سبھی کی محبّت مدینے میں ہے

صِلہ مِل گیا ہے ہمیں پیار کا
لگاوٹ کی قیمت مدینے میں ہے

خُدا جس پہ عاشِق ہُوا ہے وہی
حسیں ایک صُورت مدینے میں ہے

یہاں عِشق جامی مکمّل ہُوا
جُنوں کی صداقت مدینے میں ہے

مَنقبتؒ

نواسہ رسولؐ کا

تہذیبِ دردِ جاں ہے نواسہ رسول کا
ایثار کا نِشاں ہے نواسہ رسول کا

ہر دور میں جواں ہے شہادت کا معرکہ
ہر دور میں جواں ہے نواسہ رسول کا

اِسلام کی زمین پہ چھایا ہوا تمام
بے شبہ آسماں ہے نواسہ رسول کا

ظالم کے ظلم و جور سے کرتا ہے گفتگو
سچائی کی زباں ہے نواسہ رسول کا

انصاف و حق کی منزلِ دشوار کے لئے
سالارِ کارواں ہے نواسہ رسول کا

لکھی ہے اپنے خوں سے صداقت کی داستاں
تقدیرِ دو جہاں ہے نواسہ رسول کا

ہر دور میں ہے حق و صداقت کا امتحاں
جامیؔ خود امتحاں ہے نواسہ رسول کا

مرثیہ

میرے بھتیجے محمود کی یاد میں

(جس کی جواں مرگی نے ہم سب کو بے حال کر دیا)

سب کی نظروں سے ہو نہاں محمود
پھر بھی ہو سب کے درمیاں محمود

چلتے پھرتے ہوئے یہ لگتا ہے
ہے ابھی تک یہاں وہاں محمود

بھیّا بھابی ہیں آج تک گُم صُم
غم سے دونوں ہیں ناتواں محمود

لے رہے ہو چچا چچی کا بھی
صبر و ہمّت کا امتحاں محمود

دوستوں کو یقیں نہیں آتا
ہو گئے سب سے بدگماں محمود

ہر زباں پر تمہارا چرچا ہے
محوِ مدحت ہے ہر زباں محمود

مجھ کو روز آنہ یاد آتے ہو
تم تو ہو روز کا بیاں محمود

جب سے "خاموش" ہو گئے ہو تم
گنگ ہے میری بھی زباں محمود
خواب میں بھی مرے نہیں آتے
جانے تم کھو گئے کہاں محمود
تم نہیں ہو تو سونا سونا ہے
"الحمرا" کا یہ آشیاں محمود
جو لکھی جا رہی تھی ہر دل پر
وہ ادھوری ہے داستاں محمود
کس قدر شوق سے لڑکپن میں
دیتے رہتے تھے تم اذاں محمود
کر لیا پاس تم نے بچپن میں۔
ننھے قاری کا امتحاں محمود
کرتے رہتے تھے ہر کسی کی مدد
سب کے حق میں تھے مہرباں محمود
جانے تم جا کے چھپ گئے ہو کہاں
تم کو ڈھونڈا کہاں کہاں محمود
بوڑھے ماں باپ کا سہارا تھے
روٹھ کر سو گئے کہاں محمود

اب ہمارا بھی موت کی جانب
بڑھتا جاتا ہے کارواں محمود
اہلِ جنّت ہو اس لئے شاید
راس آیا نہ یہ جہاں محمود
جانے کس کی نظر لگی تم کو
میرے محمود نوجواں محمود
چھین کر کون لے گیا تم کو
کوئی مِلتا نہیں نشاں محمود

غزلیں



صبح کے چہرے پہ جب غازہ ہُوا
رات کے زخموں کا اندازہ ہُوا

درد بڑھ کر جب تر و تازہ ہُوا
بے رُخی کا تیری اندازہ ہُوا

آج اُس نے پھر توجہ مجھ پہ کی !
زندگی کا زخم پھر تازہ ہوا

اِک ذرا نزدیک سے گزری خوشی
دُور سے ہر غم کا آوازہ ہُوا

تیرگی ہی تیرگی ہے ہر طرف
بند شاید دِل کا دروازہ ہُوا

جب گناہوں سے ہُوا میرا گزر
تب تِری رحمت کا اندازہ ہُوا

بِکھری بِکھری تھی کتابِ جسم و جاں
سوزنِ وحدت سے شیرازہ ہُوا

آدمی رحمٰن جیسا تھا کبھی
آدمی ہونے کا خمیازہ ہُوا



ابھی لوٹا ہے مسافر ابھی در کھولے گا
کچھ تھکن اُترے تو سامانِ سفر کھولے گا

دِل وہ سہما سا پرندہ ہے کہ ہر آہٹ پر
شاخِ احساس پہ پھر آس کے پر کھولے گا

عمر لگ جائے گی تسلیم کرانے میں اُسے
کون اُس شوخ سے اَب بحث کا در کھولے گا

تجھ سے بس اتنی گزارش ہے کہ مت یاد دِلا
واقعہ درد کا پھر زخمِ جگر کھولے گا

آگ لگ جائے گی تجسیم کی چنگاری سے
وہ جو شعلہ ہے تو دامانِ شرر کھولے گا

وہ پڑھے تو سہی اِک بار صحیفہ دِل کا
پھر اُسے آپ ہی وہ شام و سحر کھولے گا

ہوتا جائے گا ترے دِل پہ مرے غم کا اثر
جیسے جیسے ترا دِل بابِ اثر کھولے گا

کیا پتہ آگہی محسوب ہوئی ہے کتنی
آج سنتے ہیں جنوں کیسۂ زر کھولے گا

اُس پہ کھُل جائے اگر رازِ محبت جامیؔ
مجھ پہ وہ خود کو بہ اندازِ دگر کھولے گا



حریفِ شاعرِ مشہور مجھ میں زندہ ہے
ترا جمال ترا نور مجھ میں زندہ ہے

نہیں ہے مجھ سے بہت دُور مجھ میں زندہ ہے
ترا ہی جلوۂ مستور مجھ میں زندہ ہے

مرے وجود میں جلوہ ہی جلوہ ہے تیرا
کچھ ایسا لگتا ہے اِک طُور مجھ میں زندہ ہے

بڑھا ہے مجھ سے جمالِ حیات کو کتنی
کمالِ منصبِ مزدور مجھ میں زندہ ہے

کبھی کبھی کوئی مختار مجھ میں چیخ پڑا
پتہ چلا کوئی مجبور مجھ میں زندہ ہے

میں جھوٹ بول کے گمراہ ہو نہیں سکتا
کہ میرے دَور کا منصور مجھ میں زندہ ہے

کسی سے جھک کے بھلا کس طرح مِلوں جامیؔ
کہ ایک شاعرِ مغرور مجھ میں زندہ ہے



تجھ سے مِلنے کی خوشی میں کبھی رونا ہو جائے
آنکھ برسے تو یہ موسم بھی سلونا ہو جائے

دیکھ لوں خواب ترا تجھ کو نظر میں بھر لوں
آنکھ بھر کر جو کبھی چین سے سونا ہو جائے

امتیازِ من و تو اب نہیں چلنے دوں گا
اب ترے سامنے جو کچھ بھی ہے ہونا ہو جائے

کھیلتی ہے جو کھلونے کی طرح لوگوں سے
میرے ہاتھ آئے یہ دُنیا تو کھلونا ہو جائے

تجھ سے یکسوئی میں کرنی ہیں بہت سی باتیں
مُنتظر ہوں کہ ترا سینا پرونا ہو جائے

ہاتھ میں میرے ہے اکسیرِ جنوں اے جامی
میں جو مٹی کو بھی چھو لوں تو وہ سونا ہو جائے



ہم بہر حال غزالوں میں غزل کہتے ہیں
ٹوٹ کر چاہنے والوں میں غزل کہتے ہیں

اسلئے ہم سے حسد کرتے ہیں کچھ لوگ کہ ہم
بیٹھ کر زُہرہ جمالوں میں غزل کہتے ہیں

لاجواب اُن کی اَدائیں بھی ہوئی ہیں اکثر
جب بھی ہم اُن سے سوالوں میں غزل کہتے ہیں

یہ کمال اپنے قلم کا ہے کہ ہنستے ہنستے
ہم یونہی تیرے خیالوں میں غزل کہتے ہیں

جس جگہ صرف اشارے ہی نہیں تھے کافی
ہم وہاں زندہ مثالوں میں غزل کہتے ہیں

تیرگی ذہن کی چھٹ جاتی ہے جب بھی ہم لوگ
فکر کے شوخ اُجالوں میں غزل کہتے ہیں

اب کوئی ہم کو سراہے نہ سراہے جامیؔ
ہم جیالے ہیں جیالوں میں غزل کہتے ہیں



عداوتوں کی ہوا اب کے چل پڑی کیسی
ہم اہلِ دِل پہ قیامت کی ہے گھڑی کیسی

تمہارے ہونٹ تو اس سے زیادہ نازک ہیں
بھلا گلاب ہے کیا اُس کی پنکھڑی کیسی

یہ مجھ سے تم نے کہا تھا کہ چل کے دیکھیں گے
ہمارے گاؤں میں اپنی ہے دھن مرڑی کیسی

تمہاری چُپ مری گستاخیوں کے بدلے میں
سزا ہے مانا مگر اِس قدر کڑی کیسی

مُجھی سے بچنے میں تم مُجھ سے آکے ٹکراتے
تو چھُوٹ چھُوٹ گئی دِل میں پھلجھڑی کیسی

اب آگ دینے لگا بھیگتا بدن اُس کا
لگی ہُوئی ہے بڑی دیر سے جھڑی کیسی

ہری بھری تھی ابھی کل کی بات ہے جامیؔ
لُٹی ہے فصلِ تمنّا کھڑی کھڑی کیسی



ٹھوکر کھاؤ گے
رستہ پاؤ گے

کب تک دنیا سے
دھوکا کھاؤ گے

سب رستے گم ہیں
کیسے جاؤ گے

جا کر پھر کب تم
واپس آؤ گے

سچ آخر سچ ہے
کیا جھٹلاؤ گے

تڑپو گے خود بھی
گر تڑپاؤ گے

امرت ہونٹوں کا
کب پلواؤ گے

وعدہ تو کرلو
پھر کب آؤ گے

تم اپنا جلوہ
کب دکھلاؤ گے

تم ہی ناداں ہو
کیا سمجھاؤ گے

جامی سے کب تک
یوں شرماؤ گے



دل دیوانہ ہے
کیا سمجھانا ہے

میرے گھر اُس کا
آنا جانا ہے

پیار حقیقت میں
اِک افسانہ ہے

دُنیا ہے اس سے
دھوکا کھانا ہے

بات ہے چھوٹی سی
اور سمجھانا ہے

سمجھا دو اس کو
وہ جو دانا ہے

سچے جھوٹے کا
دل پیمانہ ہے

جامیؔ کی مت سُن
وہ دیوانہ ہے



شروع ہو چکا احساس کا سفر تنہا
دِل اِس طرف ہے اکیلا اُدھر نظر تنہا

ہمارے بعد ہوا ہے جو راہبر تنہا
بھٹکتا پھرتا ہے اب تک بھی دربدر تنہا

کہیں کہیں تو بہت بھیڑ راستوں میں ملی
کہیں کہیں تو ملی ہم کو رہ گزر تنہا

اگرچہ میں بھی تھا بستی میں سب کے ساتھ مگر
کبھی کبھی تو لگا مجھ کو اپنا گھر تنہا

اَب امتیازِ زمانہ ہے اپنی کج کلہی
ہجومِ دہر میں اونچا ہے اپنا سر تنہا

سبھی عزیز رہے اپنے اپنے داؤ پر
ہم اس جہاں میں رہے گویا عمر بھر تنہا

اَب اعتبار کسی کا نہیں رہا جامیؔ
ہمارے شہر میں واعظ ہے معتبر تنہا

دو غزلہ



(۱)

یہ حسن یہ شباب بھی ہے میرے واسطے
لمحوں کا احتساب بھی ہے میرے واسطے

پھولوں کیساتھ بھی رہوں کانٹوں سے بھی بچوں
یہ زندگی عذاب بھی ہے میرے واسطے

آنکھوں سے تیری پی کے بھی مَیں ہوش میں رہوں
پینے کو پھر شراب بھی ہے میرے واسطے

چھوٹا سا گھر ہو، تم ہو، زمانہ ہو امن کا
اِک دیکھنے کو خواب بھی ہے میرے واسطے

ہر شعر سے بڑھاتا ہوں جینے کا حوصلہ
اِک شاعری کا باب بھی ہے میرے واسطے

ظلم و ستم بھی اُس کے سہوں صبر بھی کروں
نیکی بھی ہے ثواب بھی ہے میرے واسطے

ہے تیرگی میں روشنی اُس کا خیال بھی
جاگے اِک آفتاب بھی ہے میرے واسطے

(۲)

یہ زندگی گلاب بھی ہے میرے واسطے
بگڑی تو اِک عذاب بھی ہے میرے واسطے

ہر لمحہ سانس لینا بھی ہے ایک امتحاں
ہر لمحہ کامیاب بھی ہے میرے واسطے

ہر بار جس کو پڑھ کے بھلاتا رہا ہوں میں
دُنیا کھُلی کتاب بھی ہے میرے واسطے

ایک ایک لفظ بحرِ معانی لئے ہوئے
لفظوں کا انتخاب بھی ہے میرے واسطے

ہر ایک پل مِٹاتا ہُوا روندتا ہُوا
خاموش اِنقلاب بھی ہے میرے واسطے

میرے ہر اِک سوال پہ تیری بس ایک چُپ
چُبھتا ہُوا جواب بھی ہے میرے واسطے

میری بس ایک پھُونک سے جائیگی ٹوٹ پھوٹ
دُنیا بس اِک حباب بھی ہے میرے واسطے

جائے بھلا۔ بچاؤں تو اب خود کو کس طرح



(۱)

شبِ وصال تھی وہ تا سحر نہیں آئے
ہماری آنکھ رہی منتظر نہیں آئے

ابھی تو آنکھ کھلی ہے جدید لہجے کی
اڑے تو کیسے ابھی بال و پر نہیں آئے

ہمارے نام مسافر نے جن پہ لکھے تھے
رہِ وفا میں ابھی وہ شجر نہیں آئے

بتاؤ شہرِ محبت میں کیسے داخل ہوں
تمہارے گھر کے وہ دیوار و در نہیں آئے

کچھ اور اُن کا مجھے انتظار کرنا ہے
جو لوگ بھٹکے ہیں وہ راہ پر نہیں آئے

وہ ساتھ آتے تو منزل انہیں بھی مل جاتی
انہیں بلاتا رہا وہ مگر نہیں آئے

جو پیڑ ہم نے لگائے تھے راہ میں جامیؔ
سنا ہے اُن پہ ابھی تک ثمر نہیں آئے

(۲)

مَیں کہتا رہ گیا لیکن اِدھر نہیں آئے
کہ میرے ساتھ مِرے ہمسفر نہیں آئے

بچھائے ہی رہا آنکھیں مَیں اُنکی راہوں میں
انہیں نہ آنا تھا وہ رات بھر نہیں آئے

تلاشِ دانہ میں ساماں اِکٹّھا کرنے میں
جو لوگ صبح کو نکلے تھے گھر نہیں آئے

تمہارا وعدہ تھا آؤ گے تم بھی ایرڈرم
جہاز اُڑ بھی چکا تم مگر نہیں آئے

پتہ چلا ہے "اَنا" اُن کے آڑے آئی ہے
اسی اَنا ہی کے زیرِ اثر نہیں آئے

سمندروں میں گئے تھے جو لوگ کشتی میں
خُدا بچائے اُنہیں لوٹ کر نہیں آئے

ہُوئے تھے جمع سبھی اہلِ دِل مگر جانمی
قریب و دُور کہیں تم نظر نہیں آئے



(۱)

تم راہِ محبّت میں کوئی کھائی نہ رکھنا
گرنے کا ہو اندیشہ تو اونچائی نہ رکھنا

کچھ لوگ بنا لیتے ہیں رُسوائی کا ساماں
اِس دور میں بے وجہ شناسائی نہ رکھنا

سُنتے ہیں سزا اِس سے بڑی کوئی نہیں ہے
تم حصّۂ دشمن میں بھی تنہائی نہ رکھنا

آئینہ بھی ہو سامنے آنکھیں بھی کھُلی ہوں
ممکن ہے کہاں ہونٹوں پہ سچّائی نہ رکھنا

بن جانا تماشا یہ الگ بات ہے لیکن
ہمراہ کبھی کوئی تماشائی نہ رکھنا

برداشت کی حد سے بھی گزر جائیں گے ہم بھی
کام آئے گا اِک روز شکیبائی نہ رکھنا

یہ دُنیا ہے دو روزہ اِسی واسطے جامیؔ
نفرت کبھی اوروں سے مرے بھائی نہ رکھنا

(۲)

ڈوبوں نہ کہیں آنکھوں میں گہرائی نہ رکھنا
میں پار اُتر جاؤں گا پہنائی نہ رکھنا

بل بوتے پہ آساں ہے بنا لینا کوئی گھر
مشکل ہے مگر قلبِ تمنّائی نہ رکھنا

تقسیم کسی روز کہیں تم بھی نہ ہو جاؤ
سامان میں حصّہ کوئی آبائی نہ رکھنا

اُلجھن کے سوا ہاتھ نہ آئے گا کبھی کچھ
رشتہ کو نبھانا ہے تو دانائی نہ رکھنا

جس شوخ نے تحفے میں دیئے زخمِ محبّت
اُس سے کبھی اُمّیدِ مسیحائی نہ رکھنا

بس سہل ہو، سچّی ہو، کوئی بات ہو جامع
الفاظ میں ابہام کی گہرائی نہ رکھنا



(۱)

اب بھٹکتا ہے راہبر میرا
اب نہیں ہے وہ ہمسفر میرا

ہو نہ دل پر اثر تو میں جانوں
شعر میں پڑھ کبھی ہنر میرا

چل پڑا ہوں تلاش میں اپنی
ختم ہوتا نہیں سفر میرا

میں نے تخلیق کی یہاں جس کی
وہ جہاں اب ہے منتظر میرا

میں بلاؤں تجھے بھلا کیسے
تیرے لائق نہیں ہے گھر میرا

رات روشن یونہی نہیں رہتی
خون جلتا ہے رات بھر میرا

اس نے خود ہی مٹا دیا جامیؔ
نام لکھ لکھ کے ریت پر میرا

(۲)

جس کی صورت ہے دردِ سر میرا
کاش ہوتا وہ چارہ گر میرا

میرے بارے میں بات کرتا ہے
نام لیتا نہیں مگر میرا

شعر کہنے لگا ہے ہر کوئی
ہر کسی پر پڑا اثر میرا

جب برا تھا تو لوگ ڈرتے تھے
اب مگر اُڑ گیا ہے ڈر میرا

اب خوشی دے کہ غم تری مرضی
تجھ سے ناتا ہے عمر بھر میرا

میں کہاں ہوں ترے تعاقب میں
سایہ پھرتا ہے دربدر میرا

فخر ہے مجھ کو ناز ہے جامیؔ
حیدرآباد ہے نگر میرا

سه غزله



(۱)

ٹکرا گئی انا سے مری اور بکھر گئی
دُنیا دوبارہ سامنا کرنے سے ڈر گئی

جاتا نہیں ہے چھوڑ کے کیوں اب درِ قفس
پنچھی سے کہدو قید کی میعاد سر گئی

دریا چڑھا ہوا تھا مگر عزم تھا مرا
کشتی مری حیات کی جو پار اُتر گئی

کیا جانے کب عذابِ خُدا کا نُزول ہو
دُنیا تمام اب تو گُناہوں سے بھر گئی

خِلوت میں تیری اے مری محبوب رات دن
جانا نہ چاہیئے تھا تمنا مگر گئی

تیرے پیام بر کو رہیں یاد شوخیاں
کہنے کی تیری بات سہیلی بِسر گئی

جامیؔ مری حیات، محبت کے سب ثبوت
اُس شوخ بُت کے سامنے لا لا کے دھر گئی

(۲)

تیری نگاہِ ناز وہ کر کے اثر گئی
دِل جب بھی چیخ اُٹھا اُسے خاموش کر گئی

بکھری ہوئی تھی خانہ بدوشوں کے روپ میں
تم آ گئے تو یہ مری دُنیا سنور گئی

تم ہی ملے نہ کوئی تمہارا پتہ مِلا
پیچھے تمہارے میری صدا دربدر گئی

سارے سروں میں تھا کسی قابل ہمارا سر
تہمت زمانے بھر کی ہمارے ہی سر گئی

جیسے ہیں اِس جہاں میں سمندر کی طرح ہم
ہر سانس گویا موج کی صورت بکھر گئی

سڑکوں پہ بھیڑ تھی ترے دیدار کے لئے
جھپکی پلک تو تیری سواری گزر گئی

جامیؔ جواب بن نہ پڑا میری بات کا
دُنیا مرے سوال پہ اکثر مکر گئی

(۳)

اُٹھی تو ساری بزم پہ جادُو سا کر گئی
جِس سمت بھی جِدھر بھی تمہاری نظر گئی

اب دِل ہے وہ، نہ دِل کی مِرے بے قراریاں
وہ کیفیت، وہ حالتِ برق و شرر گئی

رُسوائی میرے عشق و جُنوں کی تھی میرے ساتھ
کیا جانے میرے بعد وہ کِس کِس کے گھر گئی

اِس عاشقی سے دُور رہے عقلمند لوگ
لیکن وہ جاتے جاتے بھی کر کے اثر گئی

اِس دَور میں شریفوں کا جینا محال ہے
اِک بے وفا کے جھوٹ سے سچّائی ڈر گئی

رویا مَیں تیری یاد میں رہ رہ کے اِس قدر
گلزار میں کلی کلی دُھل کر نکھر گئی

دُنیائے بے وفا میں یہ جا آمی تری وفا
اِک اور بوجھ لا کے مِرے سر پہ دھر گئی



(۱)

دِل بہلایا جا سکتا ہے
یا تڑپایا جا سکتا ہے

محفل میں باتوں سے اپنی
پھُول کھِلایا جا سکتا ہے

تم چاہو تو پیار کا پھر سے
دیپ جلایا جا سکتا ہے

جِس کو رُلایا تھا قسمت نے
اُس کو ہنسایا جا سکتا ہے

محنت سے سوتی قِسمت کو
آج جگایا جا سکتا ہے

مسجد ڈھا کر کیا اِس دل میں
گھر بنوایا جا سکتا ہے

جامیؔ کے شعروں کو پڑھ کر
دِل بہلایا جا سکتا ہے

(۲)

دُکھ اپنایا جا سکتا ہے
سُکھ ٹھکرایا جا سکتا ہے

لوگوں کو تسکیں کے بہانے
ہاں تڑپایا جا سکتا ہے

زُلفوں کی اُلجھن کو تیری
کب سُلجھایا جا سکتا ہے

آگ کا دریا پار اُتر کر
اُس تک جایا جا سکتا ہے

نیکی کر کے حال پہ اپنے
خود شرمایا جا سکتا ہے

آیا ہے وہ موڑ جہاں پر
سچ جُھٹلایا جا سکتا ہے

اُس بُت کے سینے میں جا کر
دِل بھی پایا جا سکتا ہے

(۳)

ظُلم اُٹھایا جا سکتا ہے
دِل تڑپایا جا سکتا ہے

تجھ سے مجھ کو پیار ہے اِس پر
حلف اُٹھایا جا سکتا ہے

جذبِ محبّت کی گرمی سے
دِل پگھلایا جا سکتا ہے

چُپ رہ کر بھی ظُلم ہمارے
دِل پر ڈھایا جا سکتا ہے

غم کا تو احسان ہے کیسے
اُس کو بُھلایا جا سکتا ہے

کرتے ہیں یہ سوچ کے احساں
ہم پہ جتایا جا سکتا ہے

جامیؔ صاحب آپکا اب تو
جشن منایا جا سکتا ہے

چوغزله



(۱)

زمیں بھی آسماں ہونے لگی ہے
یہ دُنیا "مہرباں" ہونے لگی ہے

تمنّا بڑھتے بڑھتے آپ خود ہی
وفا کی داستاں ہونے لگی ہے

اکٹھا ہو رہے ہیں چار تنکے
نہادِ آشیاں ہونے لگی ہے

جو تم ہمراہ ہو تو خود ہی منزل
قریبِ کارواں ہونے لگی ہے

مُکر جانے سے اُس کے یوں ہے قِصّہ
حقیقت بھی گُماں ہونے لگی ہے

جو سچّائی تھی دَورِ حاضرہ کی
وہ پردے میں نہاں ہونے لگی ہے

ہماری شاعری رحمٰن جامی
ہر اِک دِل کی زباں ہونے لگی ہے

(۲)

نظر میری زباں ہونے لگی ہے
حیا اب درمیاں ہونے لگی ہے

کوئی سُننے لگا ہے بات دِل کی
خموشی رازداں ہونے لگی ہے

ہماری حُبِّ وطنی ہر قدم پر
وفا کا امتحاں ہونے لگی ہے

تری یہ بے رُخی میری طرف سے
مِرا نام و نشاں ہونے لگی ہے

کِسے ہے اب گِلہ کرنے کی فُرصت
فراغت اب کہاں ہونے لگی ہے

یہ کیسا شور ہے یہ چیخ کیسی
کہ مظلومی فغاں ہونے لگی ہے

میری گویائی بڑھتے بڑھتے جامیؔ
جہاں کی ترجماں ہونے لگی ہے

(۳)

حکایت خود بیاں ہونے لگی ہے
محبت داستاں ہونے لگی ہے

ہماری منزلِ مقصود گویا
یہ گردِ کارواں ہونے لگی ہے

ستم کوشی ہماری رات دن کی
دل و جاں کا زیاں ہونے لگی ہے

ہوا چلنے لگی ہے بے خودی کی
طبیعت بھی رواں ہونے لگی ہے

ہمارے دم سے یہ دنیائے فانی
شعور رشکِ جناں ہونے لگی ہے

تمہارے قرب سے یہ زندگی بھی
بہارِ بے خزاں ہونے لگی ہے

یہ شعر و شاعری رحمٰن جامی
مدارات جہاں ہونے لگی ہے

(۴)

دِلوں کی ترجماں ہونے لگی ہے
مِری اُردو زباں ہونے لگی ہے

تمہاری یہ حیا یہ بے زبانی
ہمارے درمیاں ہونے لگی ہے

تعصّب کی فضا چھائی ہے جب سے
تمنّا حرزِ جاں ہونے لگی ہے

محبت کی کہانی رفتہ رفتہ
سِتم کی داستاں ہونے لگی ہے

مُسلمانوں کے خوں سے ساری دھرتی
مسلسل خونچکاں ہونے لگی ہے

مِلاتا مَیں کہاں تک جسم و جاں کو
حیات اب بدگُماں ہونے لگی ہے

بہت کچھ گفتگو کرنی ہے اُس سے
اُٹھو جامیؔ اذاں ہونے لگی ہے

ایک غزل دو اوزان

ایک غزل دو اوزان

یاد جب بھی کیا کیجئے
میرے حق میں دعا کیجئے

لُطف آئے ملاقات کا
رُکتے رُکتے مِلا کیجئے

رہ سکیں گے نہ ہم بھی الگ
یوں نہ ہم کو جُدا کیجئے

کیجئے گا سدا اپنی ہی
ہو سکے تو وفا کیجئے

ڈال دیجے گا نظرِ کرم
کچھ ہمارا بھلا کیجئے

سب سے محفوظ ہے یہ جگہ
میرے دل میں رہا کیجئے

قرض جامی ہے یہ زندگی
قرض کب تک ادا کیجئے

یاد جب بھی کیا کیجئے گا
میرے حق میں دعا کیجئے گا

لُطف آئے ملاقات کا بھی
رُکتے رُکتے مِلا کیجئے گا

رہ سکیں گے نہ ہم بھی الگ سے
یوں نہ ہم کو جُدا کیجئے گا

کیجئے گا سدا اپنی ہی بس
ہو سکے تو وفا کیجئے گا

ڈال دیجے گا نظرِ کرم بھی
کچھ ہمارا بھلا کیجئے گا

سب سے محفوظ ہے یہ جگہ اب
میرے دل میں رہا کیجئے گا

قرض جامی ہے یہ زندگی بھی
قرض کب تک ادا کیجئے گا

نظمیں

پابند نظم

حیدر آباد ہوگا سنگاپور

(ریاستی وزیر اعلیٰ چندرا بابو نائیڈو کا اعلان اخبار میں پڑھ کر۔ اگست [illegible])

شہر اپنا بنے گا اب پُر نور
مان لینے پہ ہو گئے مجبور
سُن کے نعرہ ہوئے ہیں یوں مسرور
گویا گمنام تھے ہوئے مشہور

ہو گئے اپنے آپ پر مغرور
حیدر آباد ہوگا سنگاپور

آج کل بجلی تو ہے اکثر غیب
کبھی دن بھر کبھی تو شب بھر غیب
جھک سے ٹی وی کا سارا منظر غیب
کبھی اندر کبھی تو باہر غیب

دن ہے بے لُطف رات ہے بے نور
حیدر آباد ہوگا سنگاپور

سارے بگڑے نظام بجلی کے
بند ہیں سارے کام بجلی کے
بڑھ گئے جب سے دام بجلی کے
گویا ہم ہیں غلام بجلی کے

چوٹ سے اسکی اپنا دل ہے چوُر
حیدرآباد ہوگا سنگاپور

ایک دن آڑ پانی ملتا ہے
پھول ایسے میں خاک کھلتا ہے
چاک دامن کہاں سے سِلتا ہے
دل بھی غصّے کے مارے ہلتا ہے

ہے ابھی تک بھی ہم سے دلی دُور
حیدرآباد ہوگا سنگاپور

حیدرآبادؒ

حیدرآباد دکن حسن و محبت کا جہاں
چار مینار ہے اس شہر کی عظمت کا نشاں
زندگی بھاگمتی بن کے سنورتی ہے یہاں
ہے قلی قطب کی صورت یہاں ہر ایک جواں

ہم نے مانا کہ حسیں اور نگر بھی ہوں گے
حیدرآباد سا دنیا میں نہیں شہر کوئی
جن میں ہندو کے مسلمان کے گھر بھی ہونگے
ایسا ہوگا نہ محبت کا حسیں شہر کوئی

حیدرآباد میں ہندو بھی مُسلمان بھی ایک
سِکھ بھی عیسائی بھی باقی سبھی انسان بھی ایک
قومی یکجہتی کی ملتی ہے یہاں زندہ مثال
دل میں لوگوں کے دھڑکتے ہوئے ارمان بھی ایک

حیدرآباد کی تہذیب محبّت ہے فقط
حیدرآباد کی تہذیب اُخوّت ہے فقط
حیدرآباد کی تہذیب کا کیا کہنا ہے
حیدرآباد کی تہذیب شرافت ہے فقط

رائچور

نگاہ و دِل کے لئے آج بھی ہے ایک سِتم
فَضا میں شورِ سلاسل ہے آج بھی برپا
شعورِ زیست کی آنکھیں ہیں آج بھی پُرنم

وہ سرزمینِ محبّت وہ سرزمینِ دکن
نسیمِ فکر تھی آوارہ اپنی رَو میں مگن
خود اپنا دل ہی تھا موضوعِ نو کا ناقدِ فن
وہ ایک محفلِ یاراں وہ ایک بزمِ سخن
وہ گشتِ کوچۂ جاناں وہ گشتِ صحنِ چمن
وہ ضَو وہ جلوہ وہ دیدار وہ حسیں چلمن
ہے داغ داغ مگر آج دل کا پیراہن
عجیب سوزشِ محرومی ہے عجیب جلن

بہاریں گھومتی پھرتی ہیں جس دوآبے[1] میں
اک عمر مَیں نے گزاری ہے اُس خرابے میں

---

[1] رائچور دو دریاؤں کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان واقع ہے اس لئے دوآبہ کہلاتا ہے۔

داد و ستد

کتنی راتیں جاگ کے میں نے
ہر تحریر کو نور دیا ہے
شب کے سلگتے ہر آنچل سے
دل کے موم کو پگھلایا ہے
فکر و فن کے دیپ جلا کر
اک طرزِ اظہار دیا ہے
تیرے پیار کے گیت لکھے ہیں
تیرے حُسن کو مہکایا ہے
گلی گلی ہے شہرت تیری
لیکن نام مرا رُسوا ہے
تیرے تغافل کے میں صدقے
اب تو غیر بھی اپنا سا ہے
تیرے میرے اِس سودے میں
داد و ستد کا کیا کہنا ہے
تو نے جس کو ٹھکرایا تھا
میں نے اس کو اپنایا ہے

روشنی

کھڑکی کھلی تو کتنی ہوائیں در آئی ہیں
پردے ہٹے تو کتنے ہی چہرے نظر پڑے
چہرے چھپائے لوگ یونہی رہ گئے کھڑے
ہر ہر قدم پہ ٹھوکریں نظروں نے کھائی ہیں
جب تیرگی تھی خود کو کسی کی خبر نہ تھی
جب روشنی ہوئی بڑی شرمندگی ہوئی
رسوائیاں زمانے کی ہم نے اٹھائی ہیں
پردوں میں اپنے آپ کو خود ہی چھپا لیا
اس طرح خود فریبی کا اک آسرا لیا
ہم نے تو جلتی شمعیں بھی خود ہی بجھائی ہیں

شرمندہ روشنی سے ہوئے کچھ نہ ہو سکا
کب تک اسی طرح سے جئیں سوچئے ذرا

آج کا گاؤں

ہوس کی دھوپ سے بچتا ہوا بزعمِ وفا
جُنوں کے سائے میں انسانیت کا پھول کِھلا
خُود اپنے آپ نمو پا کے لہلہا اُٹھا
ندی کا راگ پپیہے کی کوک دل کی صدا
کُنوارے جسم کی الھڑ جوانیوں کی ادا
کہ جس کے لمس سے شرمائے خود ہی بادِ صبا

وہ رنگ روپ وہ سونا بھی اب ہے بے قیمت
ندی پہ بند بندھا سادگی ہوئی رخصت
نمو مِلا تو نمائش کی پڑ گئی عادت

جُنوں کے پیڑ سے ٹکرا گئے ہیں بُل ڈوزر
کنوارے جِسم کو ملتی ہے ہر جگہ ٹھوکر
خود اپنے گھر میں ہی اب زندگی ہوئی بے گھر

اور اب جو جِینا ہے مجبُور ہو کے جینا ہے
دل و دماغ سے معذُور ہو کے جینا ہے

یادوں کے اُجالے میں

یادوں کے پھر دیپ جلے ہیں
میرے دل کی تنہائی میں
نورِ تصوّر کا پھیلا ہے
میرے ذہن کی انگنائی میں

یہ میرے گھر کا آنگن ہے
آنکھ مچولی کھیل رچا ہے
رات گئے تک ہم کھیلے ہیں
گھر والوں نے جب ٹوکا ہے
کھیل میں اکثر ہم دونوں کو
اُن کا کہنا بُرا لگا ہے

یہ میرا اپنا کمرہ ہے
اِس کمرہ میں تم آئی ہو
اکثر تم مجھ سے بچنے میں
مجھ ہی سے آٹکرائی ہو

اور اکیلا پا کر مجھ کو
جیسے سچ مچ گھبرائی ہو
میں نے دامن تھام لیا ہے
رہ رہ کر تم شرمائی ہو
جتنے وعدے تم نے کئے تھے
سب کے سب تم جھٹلائی ہو

شہر سے پھر میں گھر لوٹا ہوں
تم بھی میرے گھر آئی ہو
میرے گھر آکر بھی لیکن
مجھ سے پھر بھی دُور رہی ہو
جانے کیسی بات ہوئی ہے
مجھ سے پردہ کرنے لگی ہو
پھر چپکے سے میں نے سُنا ہے
اب گھر میں گم صم رہتی ہو
گھر سے تمہارے میں گزرا ہوں
تم چلمن سے لگی کھڑی ہو
میں نے یوں محسوس کیا ہے
میری طرف تم دیکھ رہی ہو

عید کا دن ہے ملنے کا دن
میں بھی تمہارے گھر آیا ہوں
آنکھیں تمہاری متلاشی ہیں
ہر جانب میں ڈھونڈ رہا ہوں
تم جانے کس کمرے میں ہو
ہر "ننھے" سے پوچھ چکا ہوں
مِل کے تمہاری امّی سے بھی
آس تمہاری لے بیٹھا ہوں

جانے کہاں تم جا کے چُھپی ہو
آخر مَیں ناکام اُٹھا ہوں
تم کتنی مغرور ہوئی ہو
مَیں کتنا مجبور ہُوا ہوں
ایک تمہارا رستہ تکتے
کتنے موسم بیت گئے ہیں
ہار گیا ہے یہ میرا دل
اہلِ زمانہ جیت گئے ہیں

لیکن پھر بھی میں نے سُنا ہے
جب بھی کوئی ذکر چلا ہے
رو دیتی ہو چُپکے چُپکے
نام مِرا جب آجاتا ہے
اور پھر یہ بھی میں نے سُنا ہے
جب بھی تم میکے آئی ہو
تم نے مجھ کو یاد کیا ہے
حال مِرا بیگانہ بن کر
اپنی سکھیوں سے پوچھا ہے
یادوں کے پھر دیپ جلے ہیں
میرے دل کی تنہائی میں
نُورِ تصوّر کا پھیلا ہے
میرے ذہن کی انگنائی میں

بے وفا

(شاذ تمکنت کی موت پر)

اک محبّت کا باب ختم ہوا
شہر کے بام و در ہوئے سونے
مجھ سے وعدہ کیا تھا اک تو نے
ساتھ رہنے کا ساتھ جینے کا
آپ اپنا لہو نہ پینے کا
یہ کہاں تو نے ساتھ چھوڑ دیا
وعدہ کرنے کے بعد توڑ دیا
کس سے شکوہٰ کروں محبت کا
دل پہ ہے بوجھ ذہن بوجھل ہے
سنسناہٹ سی اک مسلسل ہے
راستے کو عجیب موڑ دیا!
یہ کہاں تو نے ساتھ چھوڑ دیا!
شاذ نادر ترا وجود رہا!
موت آئی ہے تمکنت آسا

٭ جگر صاحب میری اور شاذ تمکنت کی گہری دوستی سے کما حقہ، واقف تھے اس لئے یہ نظم فی البدیہہ مجھ سے کہلوا کر موت کی خبر کے ساتھ روزنامہ سیاست میں شائع فرمائی۔

دکن کی لڑکیاں

تعریف کیا ان کی کروں ہیں کیا دکن کی لڑکیاں
چاندی دکن کی لڑکیاں سونا دکن کی لڑکیاں

شعر و ادب کی ناک ہیں علم و ہنر کی دھاک ہیں
حُسن و ادا میں بھی سدا یکتا دکن کی لڑکیاں

میلے میں بھی کھو جائیں گی گم خود میں بھی ہو جائینگی
سب سے الگ سب سے جُدا تنہا دکن کی لڑکیاں

موسیقیت فطرت میں ہے روتی بھی ہیں گاتی بھی ہیں
نالہ دکن کی لڑکیاں، نغمہ دکن کی لڑکیاں

کیا رنگ ہے کیا روپ ہے کیا چھاؤں ہے کیا دھوپ ہے
ہیں دیکھیئے اپنی جگہ کیا کیا دکن کی لڑکیاں

کچھ دُور بھی کچھ پاس بھی کچھ آس بھی وِشواس بھی
ہیں جاگتے میں بھی حسیں سپنہ دکن کی لڑکیاں

ہر انگ میں ہر رنگ میں ہر سنگ میں ہر ڈھنگ میں
کرتی ہیں ہر فنکار کا پیچھا دکن کی لڑکیاں

اُتر میں بھی دکن میں بھی پورب میں بھی پچھم میں بھی
ہیں ہند کے اخلاص کا نقشہ دکن کی لڑکیاں

اقرار میں انکار بھی، انکار میں اقرار بھی
دِل پر اثر کرتا ہُوا لہجہ دکن کی لڑکیاں

دریائے دل دریائے جاں ہر دم جواں ہر دم رواں
گنگا دکن کی لڑکیاں، جمنا دکن کی لڑکیاں

یہ حُسن کی پُروائیاں، یہ عشق کی رُسوائیاں
خاموشیوں کے درمیاں شکوہ دکن کی لڑکیاں

اِک دوسرے کا آئینہ، اِک دوسرے کا آسرا
اِک دوسرے کا آشنا چہرہ دکن کی لڑکیاں

جادو وہی جو سر چڑھے، سر چڑھ کے جو حق بول اُٹھے
عاشق کے سر میں عشق کا سودا دکن کی لڑکیاں

ہر سمت سے اُمڈا ہوا لگتا ہے سیلابِ بلا
بہتا ہوا اک [illegible] دکن کی لڑکیاں

لکھتا رہا میں داستاں، پڑھتا رہا سارا جہاں
بنتی گئیں یوں پیار کا قصّہ دکن کی لڑکیاں

شرم و حیا کے باب میں، تہذیب کے آداب میں
مریم دکن کی لڑکیاں، سیتا دکن کی لڑکیاں

بے وجہ کب رُسوا ہوا تھا حادثوں کا سلسلہ
جا آمی ہیں، تیرے عشق کا چرچا دکن کی لڑکیاں

اُردو پڑھائیے

اُردو ہے جس عزیز کی بھی مادری زباں
اُس کے نصیب میں ہے مسلسل اِک امتحاں
اُردو سے جس کی مِلتا تھا تہذیب کا نشاں
بے منزلِ مُراد ہے اب اس کا کارواں

اَب بھی ہے وقت درد کا درماں کرائیے
اسکول میں جو ہو سکے اُردو پڑھائیے
بچّوں کو ورنہ گھر میں ہی اُردو سکھائیے

اُردو کے میڈیم کو کیا جارہا ہے ختم
سیدھے مِرے قلم کو کیا جارہا ہے ختم
تہذیبِ ذی حشم کو کیا جارہا ہے ختم
اِسطرح آج ہم کو کیا جارہا ہے ختم

سازش سے اپنی قوم کو واقف کرائیے
اسکول میں، جو ہو سکے اُردو پڑھائیے
بچّوں کو ورنہ گھر میں ہی اُردو سکھائیے

اُردو نہیں تو اپنی یہ تہذیب بھی نہیں
اُردو نہیں تو پیار کی تقریب بھی نہیں
اُردو نہیں تو حُسن کی ترتیب بھی نہیں
اُردو نہیں تو عشق کی ترغیب بھی نہیں

اُردو کا جیتے جی نہ جنازہ اٹھائیے
اسکول میں، جو ہو سکے اُردو پڑھائیے
بچّوں کو ورنہ گھر میں ہی اُردو سکھائیے

سرکار خود ہے اُردو کی دشمن بنی ہوئی
اُردو ہے پھر بھی قوم کی دُلہن بنی ہوئی
اُردو ہے زندگانی کی دھڑکن بنی ہوئی
اُردو ہے شعر و نغمہ کا گلشن بنی ہوئی

ہاتھوں سے اپنے خود ہی نہ اسکو مٹائیے
اسکول میں، جو ہو سکے اُردو پڑھائیے
بچّوں کو ورنہ گھر میں ہی اُردو سکھائیے

سرمایۂ حیات ہے اُردو کی شاعری
خود ایک کائنات ہے اُردو کی شاعری
ہر جگمگاتی رات ہے اُردو کی شاعری
ہر دن کی واردات ہے اُردو کی شاعری

اُردو کی شاعری کا نہ ایوان ڈھائیے
اسکول میں، جو ہو سکے اُردو پڑھائیے
بچّوں کو ورنہ گھر میں ہی اُردو سکھائیے

اُردو کو اُردو والے ہی پہنچا رہے ہیں زک
ہے مادری زباں سے محبت، نہیں ہے شک
باقی ہے دل میں اس سے محبت کی گر چمک
ہے بنک میں اکاؤنٹ تو اُردو میں لکھئے چک

اُردو میں دستخط کا بھی جادو جگایئے
اسکول میں، جو ہو سکے اُردو پڑھایئے
بچّوں کو ورنہ گھر میں ہی اُردو سکھایئے

شادی کے رقعے خاص کر اُردو میں چھاپ کر
اُردو زباں کو کیجئے کچھ اور معتبر
اُردو سے روشناس نئی نسل ہو اگر
ڈنکا پھر اس زباں کا بجے گا نگر نگر

اُردو کو زندہ رکھنے کا نقشہ بنایئے
اسکول میں، جو ہو سکے اُردو پڑھایئے
بچّوں کو ورنہ گھر میں ہی اُردو سکھایئے

اُردو نہ ہوتی، ہوتا نہ آزاد دیس بھی
اُردو نہ ہوتی، ہوتا نہ آباد دیس بھی
اُردو نہ ہوتی، ہوتا نہ کچھ یاد دیس بھی
اُردو نہ ہوتی، ہوتا نہ پھر شاد دیس بھی

اُردو بچا کے دیس کی عزّت بچایئے
اسکول میں، جو ہو سکے اُردو پڑھایئے
بچّوں کو ورنہ گھر میں ہی اُردو سکھایئے

زندہ باد اے سُرخ پرچم

(علی سردار جعفری کی "الوداع" کے جواب میں)

زندہ باد اے سرخ پرچم زندہ باد
اَے نشانِ عزمِ مظلومانِ عالم زندہ باد

ہے ابھی تیری ضرورت اَے صدائے ناتمام
ہے ابھی تیری ضرورت میرے ہمدم زندہ باد

ہے ابھی نامنصفی مشرق میں بھی مغرب میں بھی
اَے حیاتِ انقلابِ دورِ عالم زندہ باد

اَے نشانِ دستِ محنت اَے زبانِ بے نوا
اور بھی تجھ کو یہاں ہونا ہے محکم زندہ باد

اَے غریبوں کے سہارے اے ضعیفوں کے عصا
ہے ہمارے ساتھ تو ہر وقت ہر دم زندہ باد

ٹوٹتی ہیں تیرے ہاتھوں ظالموں کی طاقتیں
تجھ سے ہے سرمایہ داری آج برہم زندہ باد

ساری دنیا کے کسانوں اور مزدوروں کے دل
زندہ باد اَے سرخ پرچم، سرخ پرچم زندہ باد

تیرے دم سے سارے بھارت میں ہے قومی ایکتا
تو کہ ہے امن و اماں کا عزمِ محکم زندہ باد

ہے ابھی ہندوستاں میں شر پسندوں کا وجود
اس تعصب کی فضا میں تیرا دم خم زندہ باد

نفرتوں کا سلسلہ ہے فرقہ وارانہ فساد
اور ایسے میں ترا اخلاص پیہم زندہ باد

فرقہ وارانہ فسادوں کا نشانہ اقلیت
اقلیت کے زخم پر تیرا یہ مرہم زندہ باد

امریکہ کی سازشوں کا ہوگئے روسی شکار
اور مغرب میں "فروغ کمیونزم" زندہ باد

ہے جنوبی آفریقہ سامراجوں کا غلام
اے وہ آزادی کے خوش آثار موسم زندہ باد

ہے مساواتِ جہاں میں تیرا حصہ بھی یہاں
اے علمبردارِ فکرِ ابنِ آدم زندہ باد

فرقہ داریت پنپ سکتی نہیں تو ہے جہاں
تو جہاں ہے سربلند اے سرخ پرچم زندہ باد

نوٹ:۔ "سیاست" میں سردار جعفری کی نظم "الوداع" پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ میرے خیال میں ابھی دنیا کو سرخ پرچم کی ضرورت ہے (بالخصوص ہندوستان کو) دنیا بھر میں ذات پات اور رنگ و نسل کی تفریق، محنت کے استحصال فرقہ وارانہ فسادات اور عدم مساوات کو مٹانے، ظالموں کے پنجہ سے معصوم لوگوں کو بچانے، مظلوموں کو چھڑانے، غلاموں کو آزادی دلانے کیلئے سرخ پرچم اور کمیونزم آج بھی ایک موثر ہتھیار ہے۔ آج بھی اس کی ضرورت

ایک منظوم خط

خواجہ حسن ثانی نظامیؒ کے نام

مُحبِ من حسن ثانی نِظامی
ہے ممنون آپ کا رحمٰن جامی

سلامِ شوق و رحمت آپ پر ہو
فروغِ عیش و راحت آپ پر ہو

پیامِ جانفزا لایا "مُنادی"
یہ مجھ کو اس نے خوشخبری سُنادی

حسیں "جامِ انا" پر تبصرہ ہے
قلم کیا خوبصورت آپ کا ہے

ہے ایک اِک لفظ موتی تبصرے کا
کروں تعریف اسکی اب میں کیا کیا

ہیں ایسے آپ کے لفظوں کے پیکر
کہ جیسے بند کوزے میں سمندر

حسیں تحریر کتنی آپ کی ہے
لگا یوں اوج پر قسمت مری ہے

خدا اسلام روس و چین کو دے
جزاء اس کی نظام[3] الدین کو دے

نظام[4] الدین کو آباد رکھیے
دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیے

[1] مشہور ماہنامہ [2] غزلوں کا مجموعہ [3] محمد نظام الدین شوق نظامی

[4] بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ

عرب امارات

(عرب امارات کے دورے کے بعد)

محبّتوں کی ملی ہے سوغات
حسین تر ہے عرب امارات

ہرا بھرا ہو گیا ہے صحرا
بدل گیا اس کا سارا نقشہ
ہے دیکھ کر اس کو دنگ دنیا
نکھر رہا ہے جمال اس کا

جدا ہے سب سے اب اسکی ہر بات
حسین تر ہے عرب امارات

جگہ جگہ ہے کمالِ درہم
رچھا رہا ہے جمالِ درہم
بڑا سہانا ہے حالِ درہم
نہیں عروج و زوالِ درہم

ہمارا اس کا جو ہو گیا ساتھ
حسین تر ہے عرب امارات

ہے اسکی آغوش میں مسافیؔ!
ہے جسکی دھرتی میں آب کافی
ہے سب کا اس سے مزاج شافی
یہی تو ہے حسن اک اضافی

چمک رہے ہیں تمام ذرّات
حسین تر ہے عرب امارات

یہاں کا ہر شہر ہے نرالا
کہ رات میں دن کا ہے اُجالا
کوئی ہے گورا، کوئی ہے کالا
مگر ہے سب کا مزاج اعلیٰ

ہیں میزبانی کی ان میں عادات
حسین تر ہے عرب امارات

سنبھل رہا ہے مزاج برہم
شعورِ دل بڑھ رہا ہے پیہم
اک انقلاب آرہا ہے ہر دم
بدل رہا ہے یہاں کا موسم

یہاں بھی ہونے لگی ہے برسات
حسین تر ہے عرب امارات

• لہ مسافی وہ مقام جہاں پانی کے چشمے ہیں۔

آزاد نظم

فسطاط[1]

وہ نیل کی سرزمینِ شاداب
جس کی ریگ رواں ہیں
اک کارواں کا سالار[2]
خیمہ زن جب ہوا تو
اس کی ہواؤں نے ایسا سحر پھونکا
کہ اس میں آباد ہر نفس کو خیال آیا
قیامِ فسطاطِ عارضی کو دوام بخشے
مگر ہُوا اِذنِ کوچ جس دم
تو دل ہواؤں کا رو رہا تھا
فضا کا دامن بھگو رہا تھا

سکوتِ ساحل پہ رُکنے والوں کے
دل کو لیکن قرار کب تھا
مُسافرانِ جہاد ساماں کو
نفس پہ اپنے جبر کرنے میں عار کب تھا

ہُوا جو اِذنِ سفر تو
آگے کی سمت بڑھنے کو
سارے خیمے اکھڑ چکے تھے

---

[1] ...طاط کے معنی خیمہ یا ڈیرہ کے ہیں۔ دریائے نیل کے کنارے آباد شہر کا نام۔
[2] [illegible]

مگر وہ خیمہ کہ جس میں اپنا
کسی کبوتر کے ایک جوڑے نے آشیانہ بنا لیا تھا
اور اُس میں انڈے بھی دے دیئے تھے
تو اُس کو سالارِ قافلہ نے
حیات افزا مقام کہہ کر
اُس ایک خیمے کو جوں کا توں
چھوڑ دینے کا حکم دے کر
سپاہیوں کو رواں کیا تھا
وہ کاروانِ جہاد ساماں
تمام تر اپنی کامرانی کے ساتھ لوٹا
تو اُس نے دیکھا
وہ خیمۂ صد حیات افزا
ہنوز اپنے مقام پر اپنی استقامت کے ساتھ ہی
اک حیاتِ تازہ کا اس کو پیغام دے رہا تھا
عجیب منظر تھا دلکشی کا
تو اس پہ سالارِ قافلہ نے یہ حکم بخشا
کہ جس کا جی چاہے اپنی بستی یہاں بسا لے
مسافرانِ جہاد ساماں میں بیشتر نے
پھر اپنی آبادیاں بسا کر
قیامِ فسطاط کو حیاتِ دوام بخشا
مجاہدانِ حیات ساماں نے اس کو فسطاط نام بخشا
جو آج بھی شانِ زندگی کا پیام دنیا کو دے رہا ہے

سچّائی

مجھے معلوم ہے وہ جھوٹ کہتا ہے
زمانے بھر کو بھی معلوم ہے
وہ کتنا جھوٹا ہے
وہ خود بھی جانتا ہے
کون سچّا ہے
مِری صورت
زمانے بھر کے آگے ایک درپن ہے
حقیقت سب پہ روشن ہے
یہ مانا
آج بھی باقی ہے سچّائی
مگر ہے ساتھ اس کے صرف تنہائی

حقیقت یہ بھی اب
اپنی جگہ پر پائی جاتی ہے
جو سچّی بات ہے
اِس دور میں جُھٹلائی جاتی ہے

نغمۂ ہوائے صحرا

(عراق پر ۳۲ ممالک کے مشترکہ حملہ* کے پس منظر میں)

ہوائیں صحرا سے آ رہی ہیں
خموش لَے میں نہ جانے کیا گنگنا رہی ہیں
حَسیں، جواں، پُر غرور نغمے
سمندروں سے گزر کے پیہم
اُفق پہ ابرِ رواں کے ٹکڑوں سے چھیڑ کرتے
نئی رسیلی رُتوں کے پیغام لا رہے ہیں

مگر یہ کیا ——— ؟
ان میں گھن گھرج کی صدا ہے کیسی
یہ یک بیک
پھر اُٹھی ہے کیسی مہیب آندھی
یہ کیسے بارود کے دھماکے
ہمارے کانوں میں گونج اُٹھے ہیں
عظیم صحرا میں شور کیسا ہے آج برپا
ہوائے صحرا کے سارے نغمے دُھواں دُھواں ہیں

---

*مغربی ممالک کی سازش کے تحت ۱۵ جنوری ۱۹۹۱ء کو مذکورہ حملہ، عراق پر ہوا۔

معراج

شَرَفِ دید جو بخشا
تو کوئی برق سی لہرا اُٹھی
اور نظریں مِری چُندھیا گیئں تابانی سے
ایک ہی لمحہ تو تھا
جانے کیا دیکھا مِری آنکھوں نے
مجھ کو کچھ یاد نہیں
یاد صرف اتنا ہے
نظریں ملیں
اور مِل کے جُھکیں
اور پھر میں نے اُٹھائی جو نظر
درپن تھا

علم عقیدے کے بغیر

بلا عقیدہ علم تمہارا
بے مصرف سا اک کمرہ ہے
جس میں عمدہ فرنیچر کا ڈھیر پڑا ہے
جس میں اُٹھنے بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ہے

تم کتنی بھی پڑھو کتابیں
چاہو جتنے رٹو حوالے
جہل تمہارا خود بولے گا
اپنا بھرم خود ہی کھولے گا

علم عقیدہ کب دیتا ہے
ذہن کے آگے اک پردہ ہے
دل کو ٹٹولو دل پیاسا ہے

ذہن کے اس پردے کو ہٹاؤ
اور دل کا دروازہ کھولو
شمع عقیدے کی سُلگاؤ
اس کی ضَو میں پھر اپنا گھر
عمدہ فرنیچر سے سجاؤ
اس منزل پر
علم تمہارا جو بولے گا سچ بولے گا
رازِ حقیقت جب کھولے گا
سچ کھولے گا



سنّاٹا بولتا ہے

(شری لال بہادر شاستری کی رحلت پر)

شاہراہیں خموشی میں ڈوبی ہوئیں
گلیاں سُنسان
ہر سمت سنّاٹا چھایا ہوا
شہرِ ویراں
کہ جیسے یہاں لوگ مدت سے بستے نہیں

میں بہت دیر تک
سونی راہوں پہ پھرتا رہا
اور بھٹکتا رہا
پھر بہت دور سے
ایک آواز آئی تو میں چونک اُٹھا
"میں نے امن واماں کے لئے جان دی
تم نہ مغموم ہو
تم بھی آگے بڑھو امن کے واسطے
موت سے زندگی چھین لو"

نابغہ

سمندر آگہی کا ٹھہرا ٹھہرا تھا
مگر اس میں
جُنوں کے نابغہ ہاتھوں نے پتھر رک کے دے مارا
تو لہریں جابجا اُٹھیں
سکوں غارت ہوا
خاموشیوں نے چیخ کو آواز دی
اور چیخ نے وہ شور برپا کر دیا
جس سے زمیں تھرّا گئی
اور آسماں میں بے کلی پھیلی
بلا نازل ہوئی
اور شوخ سورج سر پہ آ دھمکا
تباہی اور بربادی کی آندھی چل پڑی
تو پھر یہ مشکل تھا
کہ پہچانیں
جُنون و آگہی میں
کون اندھا کون بہرا ہے
مگر دونوں میں رشتہ ہے
یہ رشتہ جتنا جھوٹا اتنا سچّا ہے

ظرف

جھیل کا پانی
ساکت ہو کر سوچ رہا تھا
میں بھی ہوں گمبھیر سمندر

لیکن اک کنکر سے اُس کی
خاموشی سب ٹوٹ گئی ہے
اس کی وہ گمبھیرتا
اُس سے چھوٹ گئی ہے
اُس کو کیا معلوم سمندر کیا ہوتا ہے

آج کا شہر

دُھواں دُھواں سی روایت
گُماں گُماں سا یقیں
نظر نظر کی حکایت
زباں زباں پہ کہیں
لرزتے کانپتے امید و بیم کے ساغر
بظاہر آنکھ میں رنگینیوں کا ایک نگر

ہر ایک راہگزر حادثوں کی جائے پناہ
ہجومِ حُسنِ پریشاں کی اک نمائش گاہ
جہاں پہ آکے 'خودی' ہو گئی ہے خود ہی تباہ

یہاں جُنوں بھی خرد مند ہو کے جیتا ہے
کہ سچ بھی جھوٹ کی سوگند ہو کے جیتا ہے

بلیک بورڈ

(اقوام متحدہ کی کارکردگی کی روشنی میں)

چاک سے لکھتے رہو صرف مٹانے کے لئے
کوئی سمجھے تو یہ سمجھاؤ، غلط سمجھے ہو
کوئی پوچھے تو یہ کہہ دو کہ ابھی لکھنا ہے
اور پھر لکھتے رہو
بورڈ پر اپنی طرف سے نئے نقشے کھینچو
منقسم پہلے سے جو ہے اُسے تقسیم کرو
اس کی تفریق کرو وہ جو ہے تفریق شدہ
ضرب دو اس کو جو مضروب رہا ہے اب تک
چاک سے لکھتے رہو
کوئی پوچھے تو یہ کہہ دو کہ ابھی لکھنا ہے
سچ کہے کوئی تو سمجھاؤ غلط ہے یہ بھی
کوئی اڑ جائے
تو پھر لکھ کے مٹا دو سب کچھ

مری پیاری بیٹی

(حمیرا جاؔمی کے نام)

مری پیاری بیٹی
مری آرزو ہے
کہ اس دوڑتی بھاگتی زندگی میں
(جو میرے لئے کم سے کم رہ گئی ہے)
تمہیں جیتے جی اپنے، اتنا پڑھاؤں
جو تعلیم کی سب سے اونچی ہے سیڑھی
وہاں تک چڑھاؤں
کہ تم اس جہاں میں
کھڑی رہ سکو اپنے پاؤں پہ خود ہی
چلو اس زمیں پر
تو اِک فخر سے
ناز سے
تمکنت سے
سدا مسکراتے ہوئے
بے سہارا غریبوں کی ہمت بندھاتے ہوئے
اُن کی مشکل میں تم کام آتے ہوئے

خُدا سے دعا ہے
کبھی بھی کسی کی نہ محتاج ہو تم
سدا خوش رہو، جس طرح آج ہو تم

مری آرزو ہے

کہ تم بڑھتے بڑھتے

بڑے سے بڑے جو بھی منصب پہ پہنچو

کرو کام ایسے کہ مَردوں کو ہو رشک تم پر

(بڑے سے بڑا مرتبہ تم کو اللہ بخشے)

مری پیاری بیٹی

مگر میری اِک بات یہ یاد رکھّو

کہ مذہب کا اپنے سَدا پاس رکھّو

تم اپنے خُدا کو نہ بھولو

پھر اپنے وطن سے وفا کو نہ بھولو

جو زیور ہے اصلی حَیا کو نہ بھولو

مری پیاری بیٹی

اسی طرح تم زندگی بھر

پھلو اور پھولو

ہمیشہ مسرّت کے جھولے میں جھولو

کہ تم آسماں کی بلندی کو چھولو

مُعرّا نظم

اب کے برس کی پہلی برکھا

اب کے برس کی پہلی برکھا
رم جھم رم جھم برس رہی ہے
اب کے بھی بادل گرجے ہیں
اب کے بھی بجلی کڑکی ہے
لیکن اب وہ بات نہیں ہے
اب کے تمہارا ساتھ نہیں ہے
اب میں تنہا اس آنگن میں
کھڑا ہوا ہوں بھیگ رہا ہوں
پچھلی برکھا، یاد آتی ہے

پچھلی برکھا میں ہم دونوں
بھیگے تھے سر سے پاؤں تک
رہ رہ کر تم شرمائی تھیں
تم نے چھپانا بھی چاہا تھا
بدن تمہارا پھر بھی جیسے
میرے آگے بول رہا تھا
راز غضب کے کھول رہا تھا
تم کتنی حیران ہوئی تھیں
میں کتنا انجان ہوا تھا

پچھلی برکھا میں ہم دونوں
ہر ہر پل نزدیک ہوئے تھے
کتنے وعدے تم نے کئے تھے
کتنے وعدے میں نے کئے تھے
لیکن اب وہ ساری باتیں
یادوں کا اک سرمایہ ہیں
اب کے برس کی برکھا میں تم
مجھ سے کتنی دور ہوئی ہو

اب کے برس کی پہلی برکھا
رم جھم رم جھم برس رہی ہے
شاید تم بھی اپنے گھر کے
برآمدے میں کھڑی ہوئی ہو
برستی برکھا دیکھ رہی ہو
اور جانے کیا سوچ رہی ہو

اب کے برس کی پہلی برکھا
رم جھم رم جھم برس رہی ہے
میں تنہا آنگن میں اپنے
بھیگ رہا ہوں دیر سے لیکن
پھر بھی آگ نہیں بجھتی ہے

بے نام رشتہ

روز و شب کی راہ میں مجھ سے
حُسن کے پیکر جو بھی ملے ہیں
اُن سے مجھ کو پیار ہوا ہے
وہ جو مجھ سے ناواقف ہیں
میں بھی جن سے ناواقف ہوں
پھر بھی اُن سے اک رشتہ ہے
یہ رشتہ بے نام ہے اب تک

اس رشتے نے راہِ وفا سے
مجھ کو اکثر بھٹکایا ہے
نام ہوس کا دے کر میں نے
اس رشتے کو جھٹلایا ہے
لیکن اس رشتے نے مجھ کو
رہ رہ کر الزام دیا ہے
پیار کو اس نے راہ وفا میں
خود غرضی کا نام دیا ہے

میں تو محبت کا طالب ہوں
اہلِ نظر یہ مجھ کو بتائیں
اس رشتے کو کیا کہتے ہیں
حُسن تو اک بہتا دریا ہے
جس کا اک عالم پیاسا ہے

مُدعا خموشی کا

تم بھی جب مجھ سے ملتے ہو
دل کی بات چھپا لیتے ہو
میں بھی جب تم سے ملتا ہوں
دل کی بات چھپا لیتا ہوں
تم کو بھی احساس ہے اس کا
مجھ کو بھی احساس ہے اس کا

لیکن کیا تم کہہ سکتے ہو
تم بھی ایسا کیوں کرتے ہو
ایک بناوٹ سی یہ تم میں
اور مجھ میں بھی آخر کیوں ہے
آؤ میں ہی تم کو بتا دوں
بات حقیقت میں ہے اتنی
تم کو بھی یہ اندیشہ ہے
مجھ کو بھی یہ اندیشہ ہے
دل کی بات نہ رد ہو جائے

ہم دونوں میں یہ جو تکلف کا پردہ ہے
یعنی اپنی اپنی انا کا اک جھگڑا ہے
دونوں کے چپ رہنے کا شاید منشا ہے
خاموشی اظہار کا خود مقصد ہو جائے

کولڈ اسٹوریج

برف ہی برف آج کا ماحول
سرد ہی سرد زندگی کا مزاج
ایسے عالم میں اِن حسینوں کا
دل تو ممکن نہیں پگھل جائے
آگ ہی بجھ گئی ہے سردی سے
اب تو گرمی کو دل ترستا ہے
بند ہے 'کولڈ روم' میں احساس
اس مسلسل جمود سے گویا
ہوگئی ہے زبان بھی مفلوج
رہ گئی بن کے آج کل جیسے
زندگی ایک کولڈ اسٹوریج

زندہ رہ کر بھی جسم مُردہ ہے
روحِ انسانیت فسردہ ہے

نثری نظم

سرٹی فیکیٹ

ڈاکٹروں کا کہنا ہے
جس کی صحت اچھی ہوتی ہے
اس کا دماغ بھی اچھا ہوتا ہے
ڈاکٹروں کا کیا بھروسہ؟
وہ تو فیس لے کر سرٹی فیکیٹ دیتے ہیں

جھوٹ

کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے
فرض کرنا پڑتا ہے
(جس سے ریاضی کا گہرا تعلق ہے)
فرض کرنے اور جھوٹ بولنے میں
کوئی (زیادہ) فرق نہیں ہے

منفی منفی مثبت

حساب میں کمزور ہونا
کوئی اچھی بات نہیں
کوئی بھی باپ یہ کمزوری برداشت نہیں کرسکتا
طرفہ یہ کہ
کہ اس کا بیٹا حساب میں کمزور ہو
اور جھوٹ بھی بولے
خصوصاً آمدنی و خرچ کے تعلق سے
مگر ہر باپ حساب میں (کہیں نہ کہیں) کمزور ہوتا ہے
اس لئے وہ بیٹے کی ہر کمزوری برداشت کرلیتا ہے
جہاں دو منفی جمع ہوں وہ مثبت کہلاتا ہے

سماج

جس شخص میں قوتِ برداشت نہیں ہوتی
وہ پاگل ہو جاتا ہے
اور پاگل پن سماج کے لئے اچھی علامت نہیں
اور جہاں سب پاگل ہوں
وہ پاگل خانہ (نہیں کہلاتا)
سماج کہلاتا ہے

چھند

سرسی چھند

اُس کے ہاتھوں پاؤں میں پہنا کر زنجیر
لیڈر اپنے کرتے ہیں اُردو میں تقریر

ہندوستاں کا یہ بھی ہے جمہوری کردار
قتل کیا ہے ہر حیلے اُردو کو ہر بار

بچّوں کو پڑھواتے ہیں خود ہی "جیک اینڈ جِل"
اُردو والے خود ہی ہیں اُردو کے قاتل

اکثر جب بھی آتی ہے گوری تیری یاد
میرے دل کی دِلّی کو کرتی ہے برباد

امریکہ میں بیٹھ کر کولمبس بن جاؤں
دنیا کے نقشے میں مَیں کھوجوں اپنا گاؤں

جاؤں انگلینڈ امریکہ چین عرب جاپان
جب جاؤں میں یاد آئے اپنا ہندوستان

کوئی میرے اندر بھی رہتا ہے بے باک
وہ جو دیتا رہتا ہے ہر دم برقی شاک

مجھ سے پیار کیا تو نے کیا کسی سے بیاہ
کھوئی کھوئی اب کس کی دیکھ رہی ہو راہ

کام جو اپنے ذمّے ہے کر کے رہ تیار
جانے سر پر کب ٹوٹے سمے کی یہ تلوار

باہر والے کہتے ہیں جس کو بدھی مان
گھر کے اندر کہلائے وہ مورکھ انسان

یوں تو ساتھ ہے لوگوں کی اچھی خاصی بھیڑ
تنہائی کا روگی ہوں من میں تیری پیڑ

پریم یاتری

ندی ندی اور ساگر ساگر بہے سمے کی دھار
میں بھی بہتے بہتے کر لوں جیون ساگر پار
کوئی کہے آوارہ مجھ کو، کوئی کہے مجھے سادھو
کبھی ملے لوگوں سے گالی کبھی ہو جے جے کار
نگری نگری پھر کر اپنے پیار کا گیت سناؤں
اور کسی چھایا میں بیٹھوں چھیڑوں من کے تار
یاد میں تیری گاتا جاؤں برہا کا ہر گیت
دکھ کے کارن رک رک جائے سانسوں کی رفتار
لوگ ذرا سی دیر میں مجھ کو گھیر کے بیٹھیں پاس
دیکھ کے میں خاموش رہوں تو مجھ کو کہیں پکار
او بنجارے رک مت جانا دھیرے دھیرے گانا
گیت ترے سننے آیا ہے بیکل اک سنسار
رک رک کر میں گیت سناؤں کرتا جاؤں ہائے
سنکر سب کے من میں اٹھے دکھ کی ہا ہا کار

پیڑ کے پتے تڑپ تڑپ کر نیچے گر گر جائیں
کوئل روئے سنکر میرے درد بھرے اشعار

کبت کہوں میں شعر کہوں میں لوگ کہیں ہیں مجھے شاعر
کہوں میں جس کی خاطر لیکن ملے نہ وہ اِک بار

ساتھ بھی سب گھر کو جائیں میں جاؤں کس اُور
رات کٹے گی ویرانے میں نگری کے اُس پار

سُنا ہے اِس نگری میں بسے ہے میرے من کی رانی
اے لوگو یہ اُس سے کہنا شاعر کوئی یار

جوگی بن کر پریم دُوارا اُس کے پریم کا مارا
آیا ہے اُس سے ملنے کو چھوڑ کے اِک سنسار

تم بھی یار ہو کتنے بھولے کیسے وہ ملنے آئے
یہ نگری سسرال ہے اُس کا تم ہو مرد پرائے

گوری نے بھی سُنی ہے سب کچھ پردیسی کی بیتا
نینوں سے بس نیر بہے ہے من میں چلے ہے کٹار

کہنا چاہے کہہ نہ سکے ہے مشکل سے دو بول
"مارے مارے کیوں پھرتے ہو میری خاطر یار

اب کے نہ آنا پھر اِس نگری رکھنا میری لاج
او بنجارے تم ہی جیتے مَیں ہاری سَو بار

او بنجارے جاؤ تم سے نہیں ہے مجھ کو کہنا
بس اِتنا ہی کہنا تھا کہ امر ہے اپنا پیار"

بَس گوری کے مُنہ سے نہ نکلے چیخ نہ کوئی پُکار
نینوں سے بس نیر بہے ہے من میں چلے ہے کٹار

ثلاثیاں

ثلاثی

نہ چکھوں گا کبھی میں قطرۂ مئے
بشرطیکہ تم آنکھوں سے پلا دو
چلو یہ تم سے وعدہ کر رہا ہوں



چھپایا تھا جسے تم نے جتن سے
زمانا اُس سے واقف ہو گیا ہے
محبّت بھی کہیں چھُپتی ہے آخر



سُنو اِک بات کہنا چاہتا ہوں
قریب آؤ تو میں کانوں میں کہدوں
ارے یہ کیا ہوا معلوم کیسے ؟

مساوات، کھانا مساوات پینا بھی ہے
تقاضہ یہی ہے
اگر اس زمانے میں ہمراہ چلنا بھی ہے



زندگی ہے قول بھی اقرار بھی
ہے یہاں پر
آدمی مجبور بھی مختار بھی



اُس کی شہرت ہے جہاں میں بے مثال
اُس کی شہرت میں قلم میرا بھی ہے
مَیں جسے چاہوں بنادوں باکمال



تم عرب سے لُٹ لُٹا کر آتے ہو
پوچھتا ہے ہر کوئی
سچ کہو کتنا کما کر لائے ہو

اپنے ماضی میں رہ رہ کے کھو جائیے
آپ بھی ہر گھڑی
گم خیالوں میں اُس بُت کے ہو جائیے



اپنی قسمت خود بناتا ہوں
سدا دھرتی کا سینہ چیر کر
دن رات مَیں روزی کماتا ہوں



مجبور کہتے ہیں کِسے
آپ ہی بتلایئے
مزدور کہتے ہیں کِسے

رُباعیاتؒ

صدمات اُٹھا کر کبھی کہہ دیتا ہوں
جذبات میں آ کر کبھی کہہ دیتا ہوں
برباد مجھے تو نے کیا ہے بے شک
میں خود کو بھلا کر کبھی کہہ دیتا ہوں



محسوب کیا جاتا ہے تجھ کو مجھ کو
مطلوب کیا جاتا ہے تجھ کو مجھ کو
کیا خوب کیا جاتا ہے تجھ کو مجھ کو
منسوب کیا جاتا ہے تجھ کو مجھ کو



محبوب زمانے میں ادا ہے میری
مغرور طبیعت بھی ذرا ہے میری
نابود ہوئی جاتی ہے ایک ایک صفت
موجود اگر ہے تو انا ہے میری



تدبیر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں
تشہیر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں
اے کاش کہ تعمیر بھی ہوتی ہم سے
تقریر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں

تدبیر سے ہر بات کہاں ہوتی ہے
تقدیر بھی کچھ اس میں نہاں ہوتی ہے
جو چیز ہے تقدیر میں جامیؔ صاحب
مل جاتی ہے گھر بیٹھے جہاں ہوتی ہے



ہر چیز بنانے سے یہاں بنتی ہے
کچھ ذہن میں ہوتی ہے نہاں بنتی ہے
تصویر تو بن جاتی ہے جامیؔ صاحب
تخلیق کہیں جس کو کہاں بنتی ہے



امکان کے پہرے بھی لگا رکھے ہیں
کچھ رنگ سنہرے بھی لگا رکھے ہیں
پہچان ہی مشکل ہے کہ کچھ لوگوں نے
انجان سے چہرے بھی لگا رکھے ہیں



تھی جذبوں کی برسات تو کہنا ہی پڑا
کرنی ہی پڑی بات تو کہنا ہی پڑا
خاموش تو ہر وقت نہیں رہ سکتے
پوچھے گئے حالات تو کہنا ہی پڑا

بگڑی کو بنانا ہے بنالو ہم سے
جو فیض اُٹھانا ہے اٹھالو ہم سے
ہم لوگ تو لُٹ جاتے ہیں اپنوں کیلئے
گھر اپنا بسانا ہے بسالو ہم سے



تہذیب کا بازار سجا ہے دیکھو
تخریب کا بازار سجا ہے دیکھو
سچائی کے عنوان سے ہر سمت یہاں
تکذیب کا بازار سجا ہے دیکھو



رہ رہ کے مثالوں سے بہل جاتے ہیں
نادیدہ خیالوں سے بہل جاتے ہیں
ہم لوگ بھی ہیں سادہ طبیعت جامیؔ
احباب کی "چالوں" سے بہل جاتے ہیں



اخبار میں حالات پڑھا کرتے ہو
حالات تو دن رات پڑھا کرتے ہو
ماحول کا اندازہ بھی کر لو لوگو
پڑھنے کو تو ہر بات پڑھا کرتے ہو

ہر سانس محبّت کا چلن بن جائے
تعریف ہی تیری مرا فن بن جائے
اے کاش کبھی ایسا بھی ہو اے صیّاد
سچّائی ہی رُودادِ چمن بن جائے



کانٹوں سے لہُو لہُو ہو جاتا ہے
گلزار میں یہ مشکبو ہو جاتا ہے
ہے کیفیت عجیب میرے دِل کی
ماحول کی بس آبرو ہو جاتا ہے



دیوانوں سے گفتگو کر لیتے ہیں
فرزانوں سے من و تو کر لیتے ہیں
آجاتا ہے جب بھی ہمیں غصّہ جاعیؔ
شیطان سے بچنے کو وضو کر لیتے ہیں



آلام سے ادبار سے ڈرنا کیسا
تکلیف سے آزار سے ڈرنا کیسا
گوشِ در و دیوار سے ڈرنا کیسا
سچ بات کے اظہار سے ڈرنا کیسا

امکان کا اندازہ نہیں ہے تم کو
سامان کا اندازہ نہیں ہے تم کو
خاموش جو ہم ہیں تو کوئی مطلب ہے
طوفان کا اندازہ نہیں ہے تم کو



جذبات کے پھندے میں پھنسی ہے چڑیا
صدمات کے پھندے میں پھنسی ہے چڑیا
ہے نام جس کا زندگانی جامیؔ
حالات کے پھندے میں پھنسی ہے چڑیا



جذبات بھی بہنے کے لئے ہوتے ہیں
حالات بھی کہنے کے لئے ہوتے ہیں
ہر بات میں ہوتی ہے بڑی گنجائش
صدمات بھی سہنے کے لئے ہوتے ہیں



انسان بھی نادان ہوا کرتے ہیں
کچھ لوگ بھی شیطان ہوا کرتے ہیں
ہر بات کہو سوچ سمجھ کر جامیؔ
دیوار کے بھی کان ہوا کرتے ہیں

مشہور رہیں اس دور میں ہم بھی جامی
منصور رہیں اس دور میں ہم بھی جامی
اللہ کو منظور جو ہے وہ ہو گا
مجبور رہیں اس دور میں ہم بھی جامی



موجود کو ممتاز بنا دیتے ہیں
ممتاز کو اک راز بنا دیتے ہیں
ہم لوگ تو وہ ماہرِ فن ہیں جامی
سنّاٹے کو آواز بنا دیتے ہیں



احساس کے زینے پہ چڑھے رہتے ہیں
امواج کے سینے پہ چڑھے رہتے ہیں
طوفان میں رہتا ہے سفینہ اپنا
ہم لوگ سفینے پہ چڑھے رہتے ہیں



ہر عید پہ سج دھج کے دُلہن بن جائے
احساس کا نازک سا بدن بن جائے
پُرخار جو کہلاتی ہے دنیا اپنی
ارمان یہی ہے کہ چمن بن جائے

بازار سا بازار سجا کیا کرتے
سامان یہاں اپنا نہ نِھا کیا کرتے
احساس یہی کہتا تھا بس لَوٹ چلیں
دُنیا میں مگر رُکنا پڑا کیا کرتے



دیوانے بھلا عہدِ وفا کیا کرتے
خود اپنے تماشے کے سِوا کیا کرتے
جو لوگ اِنتہا کو پہنچے اپنی
وہ لَوٹ کے پھر ابتدا کیا کرتے



سہہ لیتے ہیں سب اُن کی جفا کیا کرتے
اب ہو کے بھی ہم اُن سے خفا کیا کرتے
معلوم نہیں جن کو محبّت کیا ہے
اُن لوگوں سے اُمیدِ وفا کیا کرتے



مستور کی پہچان بھی ہے دیوانے
بھرپور نظر ہو تو کوئی پہچانے
تصویر اگر ہے تو مصوّر بھی ہے
اللہ کو گر جانے تو بندہ جانے

قطعات

سیدھے دِل میں اُترنے آئے ہیں
پیار میں رنگ بھرنے آئے ہیں
وہ بھی طیران گاہ پر جاکر
مجھ کو "سنڈ آف" کرنے آئے ہیں



تم سے کچھ بھی کہا نہیں جاتا
بِن کہے بھی رہا نہیں جاتا
ویسے ہر ظلم سہتے رہتے ہیں
رنجِ فرقت سہا نہیں جاتا



دِن نِکلتا ہے رات ہوتی ہے
صورتِ اِلتفات ہوتی ہے
ان کا دیدار تو نہیں ہوتا
فون پر روز بات ہوتی ہے



نظر مِلتے ہی جاکر ہوش گُم ہیں
عجب اُن کی نِگاہوں میں ہے جادُو
کہاں ہیں ہوش بھی اُن کے ٹھکانے
بدلتے جا رہے ہیں وہ بھی پہلو

تیرا لطف و کرم ہے آنکھوں میں
جلوۂ محترم ہے آنکھوں میں
کھول کر جب بھی بند کرتا ہوں
حسنِ صحنِ حرم ہے آنکھوں میں

O

خُدا کے گھر کو یوں مسمار کر کے
وہاں مندر بنانا چاہتے ہیں
لگا کر آگ ساری بستیوں میں
وہ اپنا گھر بسانا چاہتے ہیں

O

لُطفِ شام و سحر بھی آئے گا
گفتگو میں اثر بھی آئے گا
سچ کی عینک اگر ہو آنکھوں پر
صاف سب کچھ نظر بھی آئے گا

O

اب تو ایسے بھی بشر ہونے لگے ہیں پیدا
"شہرِ الہام" میں "خر" ہونے لگے ہیں پیدا
تم توجہ ہی نہ دو اُن کی طرف اے جامی
خیر کے نام پہ شر ہونے لگے ہیں پیدا

ہے سدا اللہ کا گھر سامنے
اب بھی ہے وہ سارا منظر سامنے
آنکھ میچوں آنکھ کھولوں اس سے کیا
گنبدِ خضرا ہے اکثر سامنے



در پر ترے آؤں گا یقیں مجھ کو ہے مولا
سر اپنا جھکاؤں گا یقیں مجھ کو ہے مولا
مکّے میں ترا گھر ہے مسافت بھی بہت ہے
پھر موقع پاؤں گا یقیں مجھ کو ہے مولا



گائے بیل کے ہمراہ زندگی گزرتی ہے
دِل اُداس رہتا ہے عقل گھاس چرتی ہے
سنتے تھے بزرگوں سے پڑھتے تھے کتابوں میں
عالموں کی صحبت میں زندگی سنورتی ہے



دُشمنی کے بعد اُس سے دوستی کی شہرت ہے
زِندگی میں اب سچ مچ کِس قدر سکینت ہے
بات یہ پتے کی ہے تجربے کی ہے جامی
دوستوں سے وحشت ہے دشمنوں سے راحت ہے

ڈھب سیاست کے اور ہوتے ہیں
سب سے ہٹ کر یہ طور ہوتے ہیں
سارے نیتا ہیں ایک جیسے ہی
مختلف ان کے دور ہوتے ہیں



سچ کا چرچا ہوا سلیقے سے
کام ہوتا رہا سلیقے سے
شیخ صاحب بھی دل لگاتے ہیں
ہاں مگر اک ذرا سلیقے سے



ہر قدم پر ہے زور رشوت کا
ہر "جگہ" پر ہے شور رشوت کا
جبکہ پولس بھی خود ہو رشوت خور
کیسے پکڑے گی چور رشوت کا



نقش بر آب زندگی ٹھہری
یعنی اک خواب زندگی ٹھہری
پھر بھی ایسے میں تجھ سے ملنے کو
کتنی بے تاب زندگی ٹھہری

خفا ہونے کا یہ موسم نہیں ہے
جُدا ہونے کا یہ موسم نہیں ہے
بتاؤ کیا ابھی اِک دوسرے پر
فِدا ہونے کا یہ موسم نہیں ہے



حکومت کی اَدا ہونے لگی ہیں
جفا سے آشنا ہونے لگی ہیں
دَواخانوں سے مجبوروں کی لاشیں
مسلسل لاپتہ ہونے لگی ہیں



زمانے کی ہوا بدلی ہوئی ہے
تری صورت ذرا بدلی ہوئی ہے
کِھلاتی کیوں نہیں گُل اَب چمن میں
تو کیا بادِ صبا بدلی ہوئی ہے



عداوت کا تقاضہ اور کچھ ہے
محبّت کا تقاضہ اور کچھ ہے
کہاں آسان ہے جذبوں پہ قابو
شرافت کا تقاضہ اور کچھ ہے

حاملِ حرفِ شکایات ہُوا کرتی ہے
اَن کہی بات بھی کیا بات ہُوا کرتی ہے
جب کہی جائے وہی بات تو جامی صاحب
دل کے جذبات کی برسات ہوا کرتی ہے



تم سے اُلجھوں کبھی مرضی تو نہیں تھی میری
بات سچّی ہی تھی جھوٹی تو نہیں تھی میری
لیکن اس بات کو کیا کیجے گراں گزری ہے
آئینہ میں کوئی خوبی تو نہیں تھی میری



دوستوں سے تو سدا دادِ وفا لیتے ہیں
ہم مخالف کو بھی گرویدہ بنا لیتے ہیں
ہم سے دیکھا ہی نہیں جاتا کبھی ظلم و ستم
ہم تو دشمن کو بھی آفت سے بچا لیتے ہیں

کبھی تنہائی بھی اس دل کا قفس ہوتی ہے
مختصر ایک گھڑی ایک برس ہوتی ہے
اور ایسے میں ملاقات جو تم سے ہو جائے
زندگی جیسے کسی پھول کا رس ہوتی ہے



جھوٹ کے راج میں سچ بولنے والے ہم ہیں
کالے بازار میں حق تولنے والے ہم ہیں
ہم یہ کہتے ہیں نہیں موتیوں کا کال ابھی
سچے موتی ہی یہاں رولنے والے ہم ہیں



تم جو کہتے ہو ذرا دل کو ٹٹولو لوگو
دل کی آواز بھی کچھ کہتی ہے سمجھو لوگو
تم حقیقت کو بھلا تا بکے جھٹلاؤ گے
آگ بن جاتی ہے چنگاری بھی دیکھو لوگو

مُسدّسہ

اِرادَہ

اُس نے جو بے رُخی سے لیا کام اَب کے پھر
ہم نے بھی جان و دل سے گزرنے کی ٹھان لی

اُس نے جو نامُراد کیا ہم کو بھُول کر
ہم نے بھی غم میں آہ نہ بھرنے کی ٹھان لی

اُس نے سلوک ہم سے کیا غیر کی طرح
ہم نے بھی اُس حسیں کو بِسرنے کی ٹھان لی

وفا کا رستہ

اِتنا آسان نہیں ہے یہ وفا کا رستہ
ہے بہت ٹیڑھا جو کہلاتا ہے سیدھا رستہ

دنیا والے بھی یہی بات کرینگے مجھ سے
کونسا جھوٹا ہے اور کونسا سچّا رستہ

کارواں چاہیئے منزل کیلئے اے جامیؔ
مجھ سے کٹتا نہیں چلتے ہوئے تنہا رستہ

دیواروں کا کیا ہے بھروسہ

دیواریں ہی دیواریں ہیں اونچی اونچی دیواریں
شہر وفا میں آگ آئی ہیں کیسی کیسی دیواریں
دیواروں کے آگے غم ہیں دیواروں کے پیچھے غم
ہر کوئی رکھتا ہے جا کر اپنے گھر کی دیواریں
دیواروں کا کیا ہے بھروسہ بہہ جاتی ہیں بارش میں
وقت کے آگے ڈھے جاتی ہیں کچی پکی دیواریں

درِ توبہ

جامیؔ یہ میکشی کے بھی قصّے ہیں دُھوم کے
واعظ بھی میکدے میں چلے آئے گھُوم کے
اب ہونٹ خشک ہونے لگے اِک ہجُوم کے
بادل بھی آ رہے ہیں اسی دِن سے جھُوم کے
جس دن سے ساقیا نے کیا بند میکدہ
دروازہ میری توبہ کا اس روز کھل گیا

ورقِ سادہ

حبیب لکھتے ہیں جس کو رقیب پڑھتے ہیں
تمہارا لکھا امیر و غریب پڑھتے ہیں

چمک رہی ہے جو تحریر میرے ماتھے پر
وہ منہ بنا کے عجیب و غریب پڑھتے ہیں

میں آج تک لئے بیٹھا ہوں اپنا سادہ ورق
جو لوگ لکھتے ہیں اپنا نصیب پڑھتے ہیں

مُجرا

مُجرا

(فلم گلبدن کیلئے رب عارف کی بنائی ہوئی دھن پر لکھا گیا)

خود غرضوں کی اس بستی میں
انسان اور خدا بکتے ہیں
بکتے ہیں مجبور تو لیکن
دولت مند سوا بکتے ہیں

یہاں بکتے ہیں دیکھو زمیں آسماں
آپ کیا کیا خریدیں گے اے مہرباں

آنکھ بھی ناک بھی ہونٹ بھی گال بھی
اٹھتا جوبن بھی لمبے گھنے بال بھی
کم سن و بے مثال و جواں سال بھی
جسم کے میکدے کا ہر اک مال بھی

یہاں بکتی ہے ساقی کی پوری دکاں
آپ کیا کیا خریدیں گے اے مہرباں

یہاں احساس کی تنگ گلیاں بھی ہیں
عیش کی حسن کی رنگ رلیاں بھی ہیں
اس گلستاں میں ہیں خوش نما پھول بھی!
بندھ منہ ادھ کھلی کچی کلیاں بھی ہیں

یہاں بکتا ہے شوخی بھرا گلستاں
آپ کیا کیا خریدیں گے اے مہرباں

وادی و کوہ میں عیش و مستی بھی ہے
ہے بلندی بھی، دیکھو تو پستی بھی ہے
ہر کوئی ہے ہوس کا پجاری یہاں
آنکھ کوئی وفا کو ترستی بھی ہے

یہ بھی ہے ایک تصویرِ ہندوستاں
آپ کیا کیا خریدیں گے اے مہرباں

خود غرضوں کی اس بستی میں انسان اور خدا بکتے ہیں
بکتے ہیں مجبور ہمیشہ، دولت مند سوا بکتے ہیں
یہاں جوہی چمبیلی بھی چمپا بھی ہے
یہاں نسرین بھی رجنی گندھا بھی ہے

یہاں بکتی ہے ہر گلبدن گل فشاں
آپ کیا کیا خریدیں گے اے مہرباں

گیت



ساجن تیرے پیار میں لکھّے میں نے کِتنے گیت
تیری یاد میں ساون بھادوں روئے میرے نین
پھر بھی کب ہے چین
لاکھ چھُپاؤں کب چھُپتی ہے تجھ سے میری پریت
ساجن تیرے پیار میں لکھّے میں نے کِتنے گیت
نیارے نیارے گیت
رستہ تکتے تکتے ہو گئی اِن انکھیوں کی ہار
ٹوٹی تیری آس کہ ٹوٹے میرے من کے تار
دِن ہے میرا دُشمن اب کے بَیرن میری رَین
کروں کہاں تک بَین
سَاجن تیرے پیار میں لکھّے میں نے کِتنے گیت
پریت کے مارے گیت

سچ کہتی تھی گاؤں کی بڑھیا
پردیسی کا پیار ہے جھوٹا
جس کو میں نے جھٹلایا تھا

پردیسی کا پیار
ہوئی ہے میری ہار
جھوٹے تیرے وعدے ساجن جھوٹی تیری پریت
جانے کس کی ہار ہوئی ہے جانے کس کی جیت
ساجن تیرے پیار میں لکھے میں نے کتنے گیت



تیری خاطر شاعر کی ہے حالت ایک عذاب
ایسے میں اب لگنے لگی ہے شہرت ایک عذاب

اپنا جن کو سمجھا دیکھو نکلے وہ بیگانے
اک دیوانہ میں ہی ٹھہرا باقی سب فرزانے
بیگانوں کی بستی میں ہے چاہت ایک عذاب
ایسے میں اب لگنے لگی ہے شہرت ایک عذاب

لوگوں نے بھی خواب سنہرے کتنے دیکھے ہوں گے
پھر خوابوں کی تعبیروں کو کیا کیا ترسے ہوں گے
محنت کرنیوالوں کو ہے راحت ایک عذاب
ایسے میں اب لگنے لگی ہے شہرت ایک عذاب

دنیا نے بھی پہلے ہم کو کیا جانے کیا سمجھا
مانا ہے جب ہم کو اس نے دیکھا بھالا پرکھا
جامیؔ ہے فرقت میں اس کی الفت ایک عذاب
ایسے میں اب لگنے لگی ہے شہرت ایک عذاب

مستقبل کا گیت

شعروں میں میرے تیری
تصویر بن رہی ہے
اور ساتھ ساتھ میری
تقدیر بن رہی ہے
کس کو سُناؤں جا کر
اپنی وفا کے قِصّے
لکھے ہیں زندگی نے
تیری جفا کے قِصّے
اِک دیپ جل رہا ہے
تنویر بن رہی ہے

مستی بھری جوانی
باتیں وہی پرانی

جن میں ہے زندگانی
یاروں کی مہربانی
خوابوں کی میرے جا میں
تعبیر بن رہی ہے
شعروں میں میرے تیری
تصویر بن رہی ہے
اور ساتھ ساتھ میری
تقدیر بن رہی ہے

ماڈرن گیت

آجا اُن کو لے کر میرے پیارے ایروپلین[۱]
آجا رے ایروپلین
بن کے مہندس[۲] میرے ہسبنڈ[۳] گئے ہیں ملکِ عرب
جاکے وہاں سے سازوسامان بھیج رہے ہیں سب
لیکن یہ لکھتے ہی نہیں ہیں آئیں گے وہ کب
اُن کے میرے بیچ کی جیسے ٹوٹ گئی ہے چین[۴]
آجا اُن کو لے کر میرے پیارے ایروپلین
آنکھ کے تارے ایروپلین
مَیں ہی اکیلی اور کلب میں سارے جوڑے جوڑے
اُن کو دوجا سال لگا ہے مجھ کو تنہا چھوڑے
کوئی کب تک برہا گا کر دل کے چھالے پھوڑے
اب تو مجھ کو ڈسنے لگی ہے تنہائی میں رین[۵]
آجا اُن کو لے کر میرے پیارے ایروپلین
راج دُلارے ایروپلین

RAIN [۵] CHAIN [۴] HUSBAND [۳] ENGINEER [۲] AEROPLANE [۱]

۱۵۷

پٹرو ڈالر کی یہ دولت بنی ہے میری سوکن
دن ہیں میرے حق میں دشمن اور راتیں ہیں بیرن
دھیرے دھیرے ڈوب رہی ہے میرے دل کی دھڑکن
اُن کے بنا اب رہنے لگا ہے سر میں میرے پین ؎
آجا اُن کو لے کر میرے پیارے ایرو پلین
نا تر سا رے ایرو پلین

؎ PAIN درد PETRO DOLLAR ڈالر

میں بھی ہُوں بے چین

("ماڈرن گیت" شمع فروری ۱۹۸۴ء کے جواب میں)

تم مجھ سے ناراض نہ ہونا" او مائی ڈیئر وائف"
مجھ کو بنانی ہے خود اپنی اور بچّوں کی "لائف"

پھر میں نے اِس سال کیئے ہیں تازہ "پیپر سائن"
ہمّت سے لو کام مِری جاں کرو نہ اتنا بَین
اب تو یکساں سے لگتے ہیں حالاتِ طرفَین
سچ تو یہ ہے تم ہی نہیں ہو، میں بھی ہوں بے چَین

اپنے بچّوں کے "فیوچر" کا تم کو بھی ہے پاس
مُنّا انجینیئر بنے گا اُس کی ہے یہ آس
مُنّی بھی "دکتور" بنے گی اُس کا ہے وشواس
ہم کو جدائی سہہ کر پورا کرنا ہے بن باس

"ویٹ" کرو بس کچھ مدّت تک چاہے لے لو "فائن"
سچ تو یہ ہے تم ہی نہیں ہو، میں بھی ہوں بے چَین

ہِل کالونی میں بنوالو سب سے اُونچا گھر
جس کی چھت سے دکھلائی دے شہر کا سب منظر
اس کی خاطر جتنے چاہو بھجوادوں ڈالر
اس کے علاوہ بہن کی شادی بھی ہے اپنے سر
اس سے ہوگا سب لوگوں میں تام ہمارا "شائن"
سچ تو یہ ہے تم ہی نہیں ہو، میں بھی ہوں بے چین

بتلاؤں میں اور تمہیں کیا اپنی باتیں اب
دیس بدیس کے لوگ یہاں ہیں پیٹ کے مارے سب
دکھلاتا ہے اپنا اپنا ہر کوئی کرتب
کھینچے سب کو اپنی جانب خود بھی ملکِ عرب
سب کا اپنا اپنا منصب اپنی اپنی "لائن"
سچ تو یہ ہے تم ہی نہیں ہو، میں بھی ہوں بے چین

مُلکِ عرب میں سب انساں ہیں "نو منکی، نو ایپ"
یہاں نہ کوئی چوری ڈاکہ، اور نہ کوئی "ریپ"
ساماں ہیں دِل بہلاتے کے "ویڈیو، ٹی وی ٹیپ"
گھر کی یادیں پھر بھی بگڑے رہتے ہیں کچھ "شیپ"
اچھی ہے یہ بات یہاں کی " نو وومین، نو وائن"
سچ تو یہ ہے تم ہی نہیں ہو، میں بھی ہوں بے چین

لَوٹا دے مُسکان

(مِڈل ایسٹ کی نذر)

(ایک بیاہتا کی فریاد)

یہ دَولت کب میں نے چاہی کب چاہا یہ مان

بنگلہ، کار بنے ہیں بَیری رہ رہ کر ہر آن

تجھ سے دُور ہوئی ہوں جب سے تڑپ رہی ہے جان

مَیں تو بھولی بھالی ٹھہری تو بھی ہے نادان

میری بِنتی بس اتنی ہے کر مجھ پر احسان

اَب پردیس سے واپس آجا لَوٹا دے مُسکان

تو مجھ کو جب بیاہنے آیا میں تھی لاج کی ماری

من کی ہائے من میں رہ گئیں پیار کی باتیں ساری

ہفتے بھر کا ساتھ تھا تیرا ہفتے بھر کی یاری

کتنی جلدی کی تھی تو نے جدّہ کی تیاری

رخصت تیری ختم ہوئی اور میرے لُٹے ارمان

اَب پردیس سے واپس آجا لَوٹا دے مُسکان

اینٹی لوری



سو چکا اب تک بہت تو جاگ جانا ہے تجھے
جاگ کر پھر اپنی ملت کو جگانا ہے تجھے

قوم اپنی آج تک سوتی رہی ہے کیا کہوں
اپنی قسمت پر یونہی روتی رہی ہے کیا کہوں
دولتِ احساس بھی کھوتی رہی ہے کیا کہوں

اپنی قسمت اپنے ہاتھوں سے بنانا ہے تجھے
سو چکا اب تک بہت تو جاگ جانا ہے تجھے

غم نہ کر تجھ کو اگر راتوں میں کم سونا پڑے
حوصلہ مت ہار نا رستہ اگر کھونا پڑے
آبرو پاتے کو گر بے آبرو ہونا پڑے

چوٹ کھا کھا کر ہمیشہ مسکرانا ہے تجھے
سو چکا اب تک بہت تو جاگ جانا ہے تجھے

تیرے دم سے جگمگائے قسمتِ ہندوستاں
تیری محنت بن کے آئے راحتِ ہندوستاں
ہند میں تو ہے برائے عظمتِ ہندوستاں

جاگ کر سچ تو یہ ہے سب کو جگانا ہے تجھے
سو چکا اب تک بہت تو جاگ جانا ہے تجھے



اَے مِرے لختِ جگر اَے لختِ دِل اب اُٹھ بھی جا
قوم کی کشتی کا بننا ہے تجھے ہی ناخُدا
تجھ کو بننا ہے ضعیفوں کا جہاں میں آسرا
اَے مِرے لختِ جگر اَے لختِ دِل اب اُٹھ بھی جا

راستے سے ہٹ گئی ہے آج یہ ملّت تِری
فرقہ فرقہ بٹ گئی ہے آج یہ مِلّت تِری
گویا خود سے کٹ گئی ہے آج یہ مِلّت تِری
راہ پر لانا ہے اس کو بن کے تجھ کو رہنما
اَے مِرے لختِ جگر اَے لختِ دِل اب اُٹھ بھی جا

یہ زمانہ ہے بُرا اس کو بتانا ہے تجھے
ملک کی گاڑی کو سیدھی رہ چلانا ہے تجھے
سوئی ہے قسمت تِری اسکو جگانا ہے تجھے
اَے مِرے لختِ جگر تجھ کو خُدا کا واسطہ
اَے مِرے لختِ جگر اَے لختِ دِل اب اُٹھ بھی جا

تو مُسلماں ہے مگر ہندو سے تجھ کو پیار ہے
گندگی میں رہ کے بھی خوشبو سے تجھ کو پیار ہے
سچ یہ ہے اپنی زباں اُردو سے تجھ کو پیار ہے
اَب یہی نغمہ زمانے بھر کو تو گا کر سُنا
اَے مِرے لختِ جگر اَے لختِ دِل اَب اُٹھ بھی جا

مُرقّع

مرقع

(مرقع : ۲۷ ماتراؤں پر مشتمل نئی صنفِ سخن جو ایجادِ بندہ ہے)

اُردو

بھاگ متی کے نام سے
جا آمی رکھی قطب نے
فرخندہ بُنیاد
شہروں میں سب سے حسین
ہے حیدرآباد
اُردو زندہ باد

نئے مرقعے

جا آمی صاحب وہ بھلی
کہلاتی ہے شاعری
دل سے نکلی بات
نئے مرقعے تم لکھو
تھم تھم کر دن رات
کہلائے سوغات

دیوالی کی رات

میرِ محفل بھی جلا
برہمن کا دل بھی جلا
ہر دیپک کے ساتھ
آنکھیں بھی جل جل بجھیں
دیوالی کی رات
اشکوں کی برسات

بے وفا کی یاد

اُس سے کیا ناتا رہا
وہ ظالم ہے بے وفا
اب اُس سے کیا کام
آتا ہے پھر بھی مِرے
لب پر اُس کا نام
جامیؔ صبح و شام

شعروں کا اثر

خواہش تھی دل کی مِرے
محفل میں مَیں نے پڑھے
جامیؔ کے اشعار
دِل میں شاید چُبھ گئے
روٹھ گئے سرکار
مَننا ہے دشوار

چاندنی میں ہوئے چند مرقعے

جذبوں میں ڈھلتا رہا
رات فقط چلتا رہا

چاند ہمارے ساتھ
آگے پیچھے چل پڑی
تاروں کی بارات
وقت بنا سوغات

آئی ملنے کی گھڑی
کھلی ہوئی ہے چاندنی
پونم کی ہے رات
چندا کرے چکور سے
پیا ملن کی بات
جانے کب ہو ساتھ

اب موسم بھی ہے غنی
بکھری بکھری چاندنی
ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس
بیٹھوں جا کر باغ میں
میں جاتمی کے پاس
ٹھکرا کر ہر آس

اِس خانہ برباد میں
گوری تیری یاد میں
گُونجی آہِ سرد
دل میں رہ رہ کر اُٹھا
میٹھا میٹھا درد
رنگِ عاشق زرد

ہے دنیا کا قاعدہ
بات بڑھا کر فائدہ
اچھا ہے مت بول
اِک دن خود مکّار کی
کھل جائے گی پول
پھٹ جائے گا ڈھول

شناخت

فلم نامہ

فلم پروڈیوسر

ہر قدم پر خوف ہے خطرہ ہے ہر امکان میں
زندگی کی ناؤ ہے ہر وقت اِک طوفان میں
ہر جگہ ہر وقت اپنے ہاتھ جوڑے بے تکان
"جی بہت اچھا" ہی کہتا ہے یہ سب کی شان میں
فلم جب پردے پہ لگتی ہے تو ہوتا ہے یقیں
جان یک دم پڑ گئی ہے پھر سے گویا جان میں

فلم ڈائرکٹر

فلم کے سِٹ پر اسی کی حکمرانی ہے فقط
فلم اس کی راجدھانی اور یہ اس کا بادشاہ
سب اسی کے حکم کے بندے اسی کے پیشکار
حال پر سب کے رہا کرتی ہے اس کی اک نگاہ
فلم کی تکمیل پر اس کا کوئی پُرساں نہیں
ڈھونڈنے نکلے گا پھر اک اور ہی جائے پناہ

فلم ایکٹر

اک اشارے پر ہدایت کار کے ہے ناچتا
اور پروڈیوسر کو بھی اپنے نچاتا ہے سدا
یہ کسی کا ہو نہیں سکتا کسی بھی حال میں
آج اس کا ہے تو کل یہ دوسرے کا ہو گیا
سچ تو بس یہ ہے کہ خود یہ آپ بھی اپنا نہیں
سچ تو بس یہ ہے کہ اس کی ہے ہی فطرت بے وفا

کیمرہ من

پیٹ کی ہو یا نظر کی بھوک، ہو ہوتا ہے سیر
کیمرہ جب تک ہے اس کے ساتھ یہ آباد ہے
کر دکھاتا ہے ہمیشہ زاویوں کا یہ کمال
اس کے ہر اک زاویہ سے ہیروئن بھی شاد ہے
یہ ہمیشہ ہے مزے میں فلم بھی گر ہو فلاپ
اس کی جوتی سے کوئی گر حاملِ فریاد ہے

ڈریس ڈیزائنر

نیم عریانی کا فیشن بھی اسی کی دین ہے!
دل رِجھانے کا حسیں فن بھی اسی کی دین ہے
کاٹ کپڑے کی بنا دیتی ہے مُفلس کو امیر
اس طرح نِردھن کو یہ دَھن بھی اسی کی دین ہے
ایک میٹر میں چھپاتا ہے یہ ہیروئن کا جسم
فلم میں اکثر کھُلا تن بھی اسی کی دین ہے

آرٹ ڈائرکٹر

کیا محل کیا قلعے کی تعمیر ہے اس کا کمال
دیکھتے رہ جایئے گا سٹ کا بس حسن و جمال
اسٹڈیو میں ہی بنا دیتا ہے تاجِ آگرہ
اور لا دیتا ہے ایلورہ اجنتا کی مثال
آرٹ ڈائرکٹر جسے کہتے ہیں وہ معمار ہے
جس کی ہر تعمیر کے پیچھے کھڑا ہے اک زوال

ساونڈ ریکارڈِسٹ

ساونڈ اچھا ہے تو سُننے کا مزہ ہے لاجواب
ورنہ اچھی فلم بھی بنتی ہے کانوں کا عذاب
دیکھنے میں سین بھی لگتا ہے اچھا اور پھر
لطف بھی ڈائیلاگ کا آتا ہے سُن کر بےحساب
الغرض یہ منحصر ہے ساونڈ ریکارڈسٹ پر
فلم کے ایک ایک منظر کو بنانا کامیاب

سکریٹری

اِس کی ٹوپی اُس کے سر کرنا ہی اِس کا کام ہے
ڈیٹ کو مِس ڈیٹ کرنے میں بڑا بدنام ہے
پیچھے پیچھے اس کے ڈائرکٹر پروڈیوسر پھریں
اور تاریخوں میں اُلجھا خود بھی صبح وشام ہے
یہ فقط کھاتا ہے روٹی اپنی ہیرا پھیر کی
کرچکا سیلائ تو آرام ہی آرام ہے

فلم فینانسر

ہاتھ میں جادو ہے اِس کے جیب میں تنویر ہے
اس کی مرضی پر کسی بھی فلم کی تقدیر ہے
یہ نہ چاہے تو کوئی بھی فلم بن سکتی نہیں
اس کے دَم سے فلم کی تخریب ہے تعمیر ہے
ہر پروڈیوسر ہے اس کے ہاتھ میں جکڑا ہوا
فلم کی قسمت اسی کے ہاتھ میں تحریر ہے

فلم ڈسٹری بیوٹر

بیٹھے بیٹھے غیر کی محنت کا پاتا ہے صلہ
عیش کرتا ہے نہیں اس کو کسی سے بھی گلہ
فائدہ ہی فائدہ اس کو ہر اک سودے میں ہے
اِک ذرا سی بھول پر ملتی بھی ہے اس کو سزا
ڈسٹری بیوٹر پھر بھی گھاٹے میں نہیں رہتا کبھی
یہ ہمیشہ جیتتا ہے، کھیلتا ہے جب جوا

۱۷۷

ماہیے

اظہار میں بھی دم ہو
بات میں بھی دم ہو
اشعار میں بھی دم ہو



تصویر اتاریں گے
آپ کی صورت سے
تقدیر سنواریں گے



بہتان ہے لوگوں کی
ہند میں اے جامیؔ
کیا بات ہے لوگوں کی



دریا میں بہاؤ ہے
روک سکو گے کیا
طوفان میں ناؤ ہے



گندہ ہے سیاست بھی
دُور رہو اس سے
اپنی ہے ریاست بھی

سوتے کو جگانا ہے
کون ہو تم کیا ہو
احساس دلانا ہے



انسان کہاں ڈھونڈوں
دَور بُرا ہے یہ
ایمان کہاں ڈھونڈوں



بیدار زمانہ ہے
داغ ہیں دامن پر
اب ان کو چھپانا ہے



اِکرام سے نیتا ہیں
قوم پریشاں ہے
آرام سے نیتا ہیں



مضبوط ارادے ہیں
آپ کی مرضی سے
مربوط ارادے ہیں

ہر چیز حسیں ملتی
خواب تو دیکھا ہے
تعبیر نہیں ملتی



تم آگ لگا لینا
موم کی بستی میں
دامن بھی بچا لینا



بھائی کو ملاتا ہے
بیچ سے آنگن کی
دیوار گراتا ہے



آوارہ نہیں ہے دل
عشق کی صورت میں
ناکارہ نہیں ہے دل



معلوم نہیں ہوتا
نام سے جو اپنے
موسوم نہیں ہوتا

اَغیار سے سمجھوتہ
کون کرے گا اب
اَدبار سے سمجھوتہ



تقدیر مقابل ہے
عزم و ارادے کے
تدبیر مقابل ہے



طوفان اُٹھانا ہے
پیار کی کشتی کو
پھر پار لگانا ہے



تصویر نہیں مِلتی
نقش ہے تیرا ہی
تحریر نہیں مِلتی



جب کام نہیں ملتا
بھوک لگی ہو تو
آرام نہیں ملتا

معقول بھی ہوتا ہے
شعر جو کہتا ہے
مقبول بھی ہوتا ہے



دستور نرالا ہے
عشق کے ماروں کا
منشور نرالا ہے



تردید نہیں کرتے
لوگ حقیقت کی
تائید نہیں کرتے



گالی بھی سہے ہوں گے
کام کریں کیا ہم
جب ہاتھ بندھے ہوں گے



پیسے کا تماشا ہے
کام ہمارا ہے
لوگوں کا تقاضہ ہے

اُردو دوہے



(مکّے میں)

مکّہ آؤں بار ہا ، آکر کروں طواف
کروا لوں اللہ سے ، سارے گنہ معاف



رکھتا ہے اللہ بھی ، دیکھو کیسی ساکھ
لے لو بیت اللہ میں ، اِک کے بدلے لاکھ



مکّہ میں جاآمی ملے ، مجھ کو سب اِنسان
دیکھی بیت اللہ میں ، ایک خُدا کی شان



نیکی بیت اللہ میں ، اِک کے بدلے لاکھ
روتا ہے شیطان بھی ، سر پہ ڈالے خاک



مکّہ کی کیا شان ہے ، زندہ ہے اِسلام
سب آکر اس پر جڑے ، ایک محمدؐ نام

(بابری مسجد سے بوسنیا تک)

جب مسجد ڈھا دی گئی ؛ اُٹھی دلوں سے چیخ
چھٹی دسمبر ظلم کی ؛ لِکھی گئی تاریخ



پھر دُنیا سے کھا گئی ؛ آج حقیقت مات
پھر ظالم جھٹلا گئے ؛ سیدھی سچّی بات



کثرت بولے جھوٹ تو ؛ جھوٹ بھی سچ ہو جائے
حق بولے جا آمی اگر ؛ جھوٹا ہی کہلائے



رنگیں صحبت میں چڑھا ؛ ایسا گہرا رنگ
جاتے جاتے جائے گا ؛ اب یہ دل کا زنگ



پہنچی جِن کی بات سے ؛ دِل پر گہری چوٹ
وہ نیتا پھر آ گئے ؛ لینے ہم سے ووٹ



یورپ کی تہذیب تو ؛ پہلا نمبر پائے
رہ رہ کر اس بات کو ؛ بوسنیا جھٹلائے

ٹیڑھا گر ہو راستہ پر ہو سیدھی چال
منزل مل ہی جائیگی لاکھ پڑے جنجال

○

شاعر اونچی فکر کا رہتا ہے کنگال
فلمی تک بندی کرے بن جائے خوشحال

○

نیکو کاروں کے سدا سر آئے الزام
رشوت لے دے کر مگر سکھ پائے سکھرام

○

وقت بڑا بلوان ہے سب اسکے مغلوب
جو ہیں اسکے ہمقدم وہ سب کے محبوب

○

صاف صفائی کام ہے بولے چھلنی چھاج
ہے اپنا ہر حال میں چھان پھٹک ہی کاج

○

وقت پڑا ایسا بُرا لُٹی وطن کی لاج
نگری میں اندھیر ہے چوپٹ بھی ہے راج

○

چیز بُری ہے مُفلسی کرے اگر اُپکار
بنے سبھی پھر اجنبی جانے بوجھے یار

اُردو کا کیا پوچھنا، اس کے میٹھے بول
تو بھی اردو بول کر، کانوں میں رَس گھول



تو ہے میرے ساتھ تو، جیون ہے بھونچال
اس کو ٹھوکر مار دوں، دنیا ہے فٹ بال



یہ جمہوری دَور ہے، اس مں سب ججمان
کرے کوئی آدر مرا، کرے کوئی اپمان

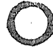


ہاتھی کی شکتی بڑی، چیونٹی ننھی جان
چیونٹی سے ہاتھی ڈرے، چیونٹی شکتی مان



پیسے سے پیسہ جُڑے، جُڑے سبھی نَر نار
پیسے ہی کا راج ہے، پیسہ ہی سرکار

دریا ہے اِک آگ کا ، جانا ہے اُس پار
ابھی گرانا ہے ہمیں ، نفرت کی دیوار



رہے سدا اس دیش کا ، ہر شہری آزاد
گر نیتا ہو جیل میں ، ہوگا نہیں فساد



اَنا بڑی ہے آپ کی ، کرے نہ کوئی پاس
یہ دنیا جاگی کبھی ، ذرا نہ آئے راس



اپنا اپنا نظریہ ، اپنا اپنا لیکھ
دنیا ٹیڑھی کھیر ہے ، مری نظر سے دیکھ



شعروں میں شہکار کی ، ہوتی ہے تدبیر
کرنا ہے مجھ کو ابھی ، تاج محل تعمیر



تیرے میرے پیار کی ، طوفاں میں ہے ناؤ
پار لگانا ہے اسے ، اب ہے تیز بہاؤ

سانیٹ

مجاہد کی موت

عالم عالم ذکر ہے تیرا
تیرا اونچا نام ہُوا ہے
نیک ترا ہر کام ہوا ہے
بزم میں پیہم ذکر ہے تیرا

امن و محبّت کی راہوں میں
تُو نے اپنی جان گنوائی
تُو نے شمع امن جلائی
جنگ و ہلاکت کی راہوں میں

مرنا تو سب کو ہے اک دن
لیکن تیری موت حسیں ہے
موت بھی تیری موت نہیں ہے
کب مرتا ہے قوم کا محسن

لال بہادر وہ جوہر ہے
جگ میں جس کی جوت امر ہے

شہرِ وفا میں

کون برباد ہوا شہرِ وفا میں تنہا!
میں تو آوارہ ہوں بدنام ہوں اک مدت سے
کس قدر دہر میں ناکام ہوں اک مدت سے
پھر بھی میں آن بسا شہرِ وفا میں تنہا!

ایک زنجیر سی لپٹی ہے مرے پاؤں میں
ہوش کی بات بھی کرتا ہوں تو کھو جاتا ہوں
جیسے دیوانہ ہر اک بات پہ ہو جاتا ہوں
اب تو رُسوا ہوں ہر اک شہر میں ہر گاؤں میں

حسرت و یاس سے تم نے یہی سوچا ہوگا
میں یہاں تنہا ہوں خود اپنے اصولوں کی طرح
جذبۂ منزل و بے راہ بگولوں کی طرح
میں ہوں بے آسرا تم نے یہی سمجھا ہوگا

تم نے یہ سوچا تو سچ سوچا بہت سچ سمجھا
میں ہی برباد ہوا شہرِ وفا میں تنہا

گویائی

کتابِ حُسن کے ہر باب سے میں گزرا تھا
تمہارے چہرے کی تحریر پڑھ چکا تھا میں
تمہارے دِل کی ہر اک بات جانتا تھا میں
تمہاری آنکھوں کا پیغام مجھ کو پہنچا تھا

مگر زباں سے کبھی آج تک نہ تم نے کہا
جو تم نے کچھ نہ کہا آج اس کی قیمت ہے
قریب و دور وہی آج تک بھی عزت ہے
جو میں نے تم سے کہا سب خموش تم نے سُنا

اور اب یہ سوچ رہا ہوں کہ تم نے ٹھیک کیا
ہر ایک بات کہی پر زباں سے کچھ نہ کہا
مجھے ہی جراءتِ اظہار نے کیا رسوا
تمہاری خامشی لیکن تمہارے کام آئی
مری ہی جُنبشِ لب سے ہوئی ہے رسوائی
ہوئی ہے باعثِ رسوائی میری گویائی

تمہیں مجھ سے شکایت ہے

نہ جانے تم نے بتایا ہے کیا تمہاری سکھی
بہت دنوں سے مجھے دیکھتی ہے ہنستی ہے
اور اب تو ہوش بھی اپنا نہیں مجھے کوئی
جو مجھ پہ گزری ہے وہ کب کسی پہ گزری ہے

سُنا ہے میں نے کہ مجھ سے تمہیں شکایت ہے
تمہیں یہ خدشہ کہ ہوگی تمہاری رسوائی
تمہارے عشق میں جو کچھ بھی میری حالت ہے
تمہیں بھی مَیں نظر آتا ہوں اب تو سودائی

عجیب وحشت و آوارگی کا عالم ہے
نہ شیو کرنے کی فرصت نہ استری کا خیال
مرے لباس کا بھی میرے جیسا عالم ہے
کہ جیسے کوئی مسافر ہو شہر میں بدحال

وفا کے ہاتھوں مرا خون بھی پسینہ ہے
بڑے سلیقے کا جینا تمہارا جینا ہے

حیدرآباد

حیدرآباد ہے چمن میرا
حیدرآباد میری جنّت ہے
حیدرآباد میری راحت ہے
حیدرآباد ہے وطن میرا

حیدرآباد میری عظمت ہے
حیدرآباد آگہی میری
حیدرآباد زندگی میری
حیدرآباد میری عزّت ہے

حیدرآباد میرے دل کی چیخ
حیدرآباد میرے دل کی پُکار
حیدرآباد میرا حالِ زار
حیدرآباد ہے مری تاریخ

حیدرآباد میری منزل ہے
حیدرآباد میرا حاصل ہے

ترائیلے

خواہش

صَبا تجھ کو اب آجا بند کرلوں
بہت آوارگی اچھی نہیں ہے
چمن میں اپنے ہی پابند کرلوں
صَبا تجھ کو اب آجا بند کرلوں
کھُلا دروازہ اپنا بند کرلوں
گُلوں سے دوستی اچھی نہیں ہے
صَبا تجھ کو اب آجا بند کرلوں
بہت آوارگی اچھی نہیں ہے

گاؤں

گاؤں کا ماحول کتنا پُر فضا ہے
شہر سے آکر یہی مَیں سوچتا ہوں
آج بھی کھیتوں میں جادو جاگتا ہے
گاؤں کا ماحول کتنا پُر فضا ہے
آج بھی پَن گھٹ پہ حُسنِ دلربا ہے
اِس حسیں ماحول میں مَیں کھو گیا ہوں
گاؤں کا ماحول کتنا پُر فضا ہے
شہر سے آکر یہی میں سوچتا ہوں

———

ٹوماہاک

TOMAHAWK[ؑ]

مرے ہاتھوں میں کلہاڑی نہیں ہے
مجھے یہ سارا جنگل کاٹنا ہے
گھنا جنگل ہے یہ جھاڑی نہیں ہے
مرے ہاتھوں میں کلہاڑی نہیں ہے
سفر کرنا ہے اور گاڑی نہیں ہے
جو بویا ہے اُسے کل کاٹنا ہے
مرے ہاتھوں میں کلہاڑی نہیں ہے
مجھے یہ سارا جنگل کاٹنا ہے

ؑ شمالی امریکہ کے اصلی باشندوں (جو سرخ ہندی یا RED INDIANS کہلاتے ہیں) کا کلہاڑی نما ہتھیار جس سے وہ شکار بھی کرتے اور درخت وغیرہ کاٹنے چھانٹنے کا کام بھی لیتے تھے۔

ہارپون

HARPOON[1]

جو مچھلی مَیں نے پھانسی تھی وہ میرے جسم وجاں کی تھی
تمنّا کے سمندر میں بہت دن سے تھی آوارہ
مری رسوائی بھی اپنی یہاں کی تھی وہاں کی تھی
جو مچھلی مَیں نے پھانسی تھی وہ میرے جسم و جاں کی تھی
وہ ڈوری جس میں کانٹا تھا مری اپنی زباں کی تھی
خود اپنے زخم کا رحمٰن جامی تھا نہیں چارہ
جو مچھلی میں نے پھانسی تھی وہ میرے جسم و جاں کی تھی
تمنّا کے سمندر میں بہت دن سے تھی آوارہ

---

[1] نیزہ نما بھالا جو ایک لمبی رسّی کے ساتھ بندھا ہوتا ہے جو "وہیل" اور دوسری بڑی مچھلیوں کو مارنے کے لئے پھینکا جاتا ہے۔

اَنَا

عجب سی برہمی احساس میں ہے
مَیں خود "اپنے" سے ٹھوکر کھا گیا ہوں
مِرے خوں کی نمی احساس میں ہے
عجب سی برہمی احساس میں ہے
پھر اب اپنی کمی احساس میں ہے
خدا جانے کہاں مَیں آ گیا ہوں
عجب سی برہمی احساس میں ہے
مَیں خود "اپنے" سے ٹھوکر کھا گیا ہوں

ہندوستان میں اُردو

یہاں سے ہے وہاں تک قصرِ اُردو
مگر اب اِس کو ڈھایا جا رہا ہے
حقیقت رو رہی ہے خوں کے آنسو
یہاں سے ہے وہاں تک قصرِ اُردو
ابھی اترا نہیں ہے اس کا جادو
نیا فِتنہ جگایا جا رہا ہے
یہاں سے ہے وہاں تک قصرِ اُردو
مگر اب اس کو ڈھایا جا رہا ہے

جذبہ

سمندر بند ہے کوزے میں میرے
اشاروں پر مرے یہ ناچتا ہے
مرے اندر ہی کرتا ہے یہ پھیرے
سمندر بند ہے کوزے میں میرے
کہیں اک روز یہ مجھ کو نہ گھیرے
ارادوں سے مرے یہ آشنا ہے
سمندر بند ہے کوزے میں میرے
اشاروں پر مرے یہ ناچتا ہے

———

ہائیکو



(شارٹ سیلبلس)

ناگزیر

مزدوری کر یار
مزدوروں کے دم سے ہی
چلتا ہے سنسار

زندگی

سب سے ڈرتی ہے
دنیا پھر بھی جینے کی
خواہش کرتی ہے

خواہش

آنکھیں ہیں میری
آئینے میں جب دیکھوں
صورت ہے تیری

عمل

دنیا خالی ہے
لیکن تجھ سے، مجھ سے پھر
بسنے والی ہے

جرأت اظہار

بچا آمی، بھیتے جی
دل کی باتیں کہنی ہیں
مجھ کو اُس سے بھی

سخاوت

ہنستا گانا ہے
محتاجوں کی بستی میں
ہُن برسانا ہے

حُسنِ نظر

اپنا چہرہ ہے
آئینہ میں جب دیکھو
اچھّا لگتا ہے

اِنتخاب

گونگا بہرہ ہے
گوری تیرا ساجن تو
سب میں سدھا ہے

ہوس

جاتے رہتے ہیں
عزت کھو کر دھن دولت
لاتے رہتے ہیں

سمجھوتہ

کیف و مستی میں
مل جل کر ہی رہنا ہے
ہم کو بستی میں

آبادی

کیسا جنگل تھا
اب یہ اپنی بستی ہے
ویرانہ کل تھا

ناگزیر

مزدوری کر یار
مزدوروں کے دم سے ہی
چلتا ہے سنسار

زندگی

سب سے ڈرتی ہے
دنیا پھر بھی جینے کی
خواہش کرتی ہے

خواہش

آنکھیں ہیں میری
آئینے میں جب دیکھوں
صورت ہے تیری

صداقت

مشکل ہے یہ فن
سچّی باتیں کہنے میں
کیا کیا ہے اُلجھن

صدمہ

دنیا دنیا ہے
لیکن تیری باتوں سے
صدمہ پہنچا ہے

جوڑی

جوڑی ہے اچھی
مَیں بھی سیدھا سادھا سا
وہ بھی سیدھی سی

پسِ لفظ

اُن برساتوں میں
مطلب کی باتیں بھی تھیں
بھیگی راتوں میں

مسافت

دنیا والے بھی
چل کر میرے پاؤں کے
دیکھیں چھالے بھی

واویلا

تم پر مرتے ہیں
ہم ہیہاتیں کرتے ہیں
آہیں بھرتے ہیں

لانگ سیلیبلس

خول

خیال و خواب سے بلند ہوں
زمیں سے آسماں تک آ گیا ہوں مَیں مگر
خود اپنی ہی انا میں بند ہوں

ہتھیار

خود اپنے بازوؤں کو آزما

ہمیشہ تو زبان اپنی بند رکھ یہاں
قلم میں کتنا زور ہے دِکھا

دشمنی

وہ شوخ ہے حسین و خوبرو
جو مَیں نے کی جہاں میں اسی کی جستجو

مَیں اپنا خود ہی بن گیا عدو

نشہ

نشے میں مَیں نے اُس سے سب کہا

نشہ بڑے ہی کام کا ہے کام ہو گیا
نشے میں اُس نے مجھ سے سب سُنا

طلب

سوال کا جواب دیجیے
جو پڑھ چکے ہو زیست کی کتاب دیجیے
وگرنہ چند خواب دیجیے

مایاجال

یہ آپ کا خیال ہی تو ہے
یہ زندگی بھی اصل میں کمال ہی تو ہے
یہ سارا مایا جال ہی تو ہے

معمّہ

اگر مگر نہ کر ذرا سنبھل
زمیں بھی آسماں بھی ہے یہ زندگی سمجھ
معمّہ ہے تو ڈھونڈ اس کا حل

وسعت

ہمیشہ تو زمیں پہ رکھ نظر
تری نظر بلند ہے بلندیوں پہ جا
مگر خیال آدمی کا کر

محبّت

بتاؤں کس طرح کہ کیا ہُوا
ذرا نظر سے پی ہی تھی کہ ہوش اُڑ گئے
تری نظر کا چڑھ گیا نشہ

بصیرت

نگاہ کو حیات مل گئی
جو تم سے مل گئی نظر تو یوں لگا مجھے
کہ دل کو کائنات مل گئی

جبلّت

مری انا ہے میری زندگی
مری خطا ہے بس یہی کہ آدمی ہوں میں
کہ جانور بھی ہوں کبھی کبھی

رُسوائی

کبھی کبھی حماقتیں ہوئیں
ذرا قدم غلط اٹھا تو رہ بھٹک گئے
گلی گلی حکایتیں ہوئیں

احتیاط

اِدھر اُدھر کی بات مت کرو
چھُپا چھُپا کے دل کو بے ثبات مت کرو
کہ بات اس کے سات مت کرو

تجربہ

کبھی کسی سے پیار مت کرو
یہ میرا تجربہ ہے آنکھ چار مت کرو
کسی کا انتظار مت کرو

تخلیق

نئے نئے خیال ہیں سُنو
ہے شاعری مری تمہارے واسطے مگر
جواب بے سوال ہیں سُنو

آمادگی

قدم قدم پہ آدمی لُٹا
زمانہ دیکھتا ہی رہ گیا اُسے یہاں
سُنا ہے وہ ہنسی خوشی لُٹا